"الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیهم ولا هم یحزنون" (الآیۃ)

"تحفة المؤمن الموت" (الحدیث)

چھپ گیا آفتاب شام ہوئی　　اک مسافر کی رہ تمام ہوئی

حیاتِ اسمٰعیلؒ

سوانح وحالاتِ زندگی

عارف باللہ، یادگار اکابر، مشفق ومربی نانا جان حضرت اقدس

مولانا اسمٰعیل بن حافظ احمد ملاّ (موٹا) صاحب نور اللہ مرقدہٗ ومضجعہٗ کا ذکر خیر

(سابق مہتمم رابع جامعہ حسینیہ راندیر، امام وخطیب تائی واڑ جامعہ مسجد راندیر، رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند)

نظر کردہ

والد ماجد حضرت اقدس مفتی یعقوب اشرف صاحب راندیری دامت برکاتہم

استاذ مکرم حضرت اقدس مولانا حبیب الرحمٰن صاحب پالنپوری دامت برکاتہم

مؤلف و ناشر

(مولانا) احمد ابن حضرت مفتی یعقوب اشرف صاحب راندیری

(اکلوتے نواسہ صاحب سوانح، مدرس دار العلوم اشرفیہ راندیر)

"الا انّ اولیاء اللّٰہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون" (الآیۃ)

"تحفۃ المؤمن الموت" (الحدیث)

حیاتِ اسمٰعیلؒ

سوانح و حالاتِ زندگی

عارف باللہ یادگار اکابر، مشفق و مربی نانا جان حضرت اقدس

مولانا اسمٰعیل بن حافظ احمد ملاؒ (موٹا) صاحب نور اللہ مرقدہ و مضجعہ

کا ذکر خیر

(سابق مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر، امام و خطیب جامع مسجد راندیر، رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند)

﴿نظر کردہ﴾

والد ماجد حضرت اقدس مفتی یعقوب اشرف صاحب راندیری دامت برکاتہم

استاذ محترم حضرت اقدس مولانا حبیب الرحمٰن صاحب پالنپوری دامت برکاتہم

﴿مؤلف و ناشر﴾

(مولانا) احمد ابن حضرت مفتی یعقوب اشرف صاحب راندیری

(الکوثر ٹرسٹ، صاحب سوانح مدرس دار العلوم اشرفیہ راندیر)

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

نام کتاب:	حیاتِ اسمٰعیلؒ
مؤلف:	(مولانا) احمد ابن حضرت مفتی یعقوب اشرف صاحب راندیری
سنِ اشاعت اوّل:	۱۴۳۱ھ مطابق ۲۰۱۰ء
صفحات:	۱۱۲
تعداد:	۱۱۰۰
کمپیوٹر سیٹنگ:	راہی گرافکس، راندیر، سورت (موبائل:9898439914)

فہرست مضامین

تقریظ

از حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم
(شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند)

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی.

حضرت اقدس جناب مولانا اسماعیل بن حافظ احمد صاحب راندیری قدس سرہٗ اللہ تعالیٰ کے ان چنیدہ بندوں میں سے تھے جن کا ذکر خیر عرصۂ دراز تک باقی رہے گا۔ ان کے کارہائے نمایاں ایسے ہیں کہ ایک دنیا دیر تک ان کو یاد کرے گی۔ آپ پہلے جامعہ حسینیہ راندیر کے ٹرسٹی تھے، پھر حضرت مولانا محمد سعید راندیری کے بعد جامعہ کے مہتمم بنے۔ آپ دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے موقّر رکن تھے اور بڑی پابندی سے شوریٰ کے جلسوں میں شرکت فرماتے تھے۔ جب بھی موصوف دیوبند تشریف لاتے تو میری ملاقات ان سے ضرور ہوتی تھی، وہ دار العلوم کی شوریٰ کے جلسوں میں شرکت کو اپنی بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ غرض حضرت والا بڑی خوبیوں کی حامل شخصیت تھے۔ اب وہ ہمارے درمیاں نہیں رہے، واصل بحق ہوگئے، البتہ ان کا ذکرِ خیر دیر تک باقی رہے گا۔ اور اس کا ذریعہ حضرت کے نواسے جناب مولوی احمد اشرف صاحب راندیری کی یہ مختصر کتاب ''حیاتِ اسمٰعیلؒ'' بنے گی۔ میں نے یہ کتاب جستہ جستہ دیکھی ہے، ماشاء اللہ سلیقہ سے کتاب مرتب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائیں اور مولانا مرحوم کے ذکر خیر کا ذریعہ بنائیں، والسلام۔

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالنپوری

خادم دار العلوم دیوبند

۷؍شعبان ۱۴۳۱ھ

تقریظ

از حضرت اقدس مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس وخلیفۂ اجل مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ ورکنِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند)

نحمد اللہ العلیّ العظیم ونصلّی ونسلّم علیٰ رسولہ الکریم، امّا بعد!

یہ یقیناً میرے لئے باعثِ فخر وسعادت ہے کہ مجھے کچھ لمحات حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ) کی صحبت اور محبت میں گذارنے اور ان کے اعلیٰ اخلاق اور کرم نوازیوں سے مستفید ہونے کے میسّر آئے۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ میں حضرت مولانا کی وفات سے پہلی مجلس تک، اور راندیر کے دونوں اعلیٰ تعلیمی اداروں جامعہ حسینیہ اور دارالعلوم اشرفیہ کے جلسۂ سالانہ وتقریب ختم بخاری شریف کا موقعہ ہوا۔ اگرچہ حضرت مولانا کافی معمر تھے اور وفات کا حادثہ جس طرح پیش آیا وہ مجھ جیسے دورافتادہ کے لئے یقیناً حادثہ اور غیر متوقع واقعہ تھا۔ دل میں یہ خواہش تھی کہ حضرت جیسے نیک نفس، متواضع اور علم دوست بزرگ کے نقوش زندگی کو اگلوں کے لئے محفوظ کردیا جاتا۔ الحمدللہ حضرت مولانا کے لائق نواسے مولانا احمد اشرف سلمہٗ نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور یہ انہیں کا حق تھا۔ زیرِ نظر مجموعہ مختصر مگر مفید اور جامع ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور اخلاف کو اپنے اسلاف کا سچا پیروکار بننے کی توفیق بخشیں۔ والسلام

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ

جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس نزیل راندیر

۱۰رشعبان ۱۴۳۱ھ

تقریظ

از حضرت اقدس مفتی ابراہیم صاحب آچھودی دامت برکاتہم
(استاذ حدیث دارالعلوم وناک پور گودھرا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم، امّا بعد!

یادگارِ اکابر استاذی حضرت مولانا اسماعیل ملّا صاحبؒ

آپ خلقِ خدا اور طلباءِ کرام سے بہت محبت اور شفقت کرنے والے اور سخی دل آدمی تھے میرا خود کا تجربہ ہے کہ جب جامعہ حسینیہ راندیر میں پڑھتا تھا اور تعطیلات کے ایام آئے تو میں اور میرے دوسرے ساتھی کو جو کہ مدرسہ کے اندر تھے اور تعطیلات میں ہم لوگ گھر نہیں گئے اس وقت استاذی اور مشفقی حضرت والاؒ نے مجھے چاندی کا سکہ دیا اور تعطیلات میں ہمارا بہت خیال کیا، جیسا خود کھاتے تھے ویسا ہی ہمیں کھلاتے اور پلاتے تھے اور ہر آنے والے کا خوب خیال رکھتے تھے اور ضرورت کے مطابق ہر آنے والے کی کچھ نہ کچھ امداد کرتے تھے۔

آپ کے اساتذہ

آپ نے مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا سعید صاحب راندیریؒ کے پاس پڑھی اور بخاری شریف حضرت مولانا محمود الحسن اجمیریؒ سے پڑھی جو معین الفرائض کے مؤلف ہیں اور اس کے علاوہ حضرت مولانا ظہور الحسن ٹونکیؒ اور حضرت مولانا احمد اللہ صاحبؒ سے بعض کتابیں پڑھیں۔

حضرت والاؒ نے پوری زندگی پڑھنے پڑھانے اور اہتمام کے کام میں گزار دی۔

حضرت والاؒ ۱۹۴۲ء میں فارغ ہوئے، فارسی اوّل سے شرح وقایہ تک ۱۹۵۵ء تک پڑھایا۔ الحمدللہ میں نے بھی حضرت والاؒ سے آدھی نحومیر پڑھی ہے۔ پھر مجبوراً ذمہ داری اور کام کے بڑھ جانے کی وجہ سے پڑھانا چھوڑنا پڑا پھر آپ نے اپنے آخری دم تک اہتمام کے کاموں کو حسن وخوبی کے ساتھ اپنے خاندانی بزرگوں کے نقشِ قدم پر رہ کر انجام دیتے رہے۔

آپ کے شاگرد

آپ کے بہت سے شاگرد ملک اور بیرونِ ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور اپنی اپنی جگہ پر الحمدللہ علمی ودینی، قومی وسماجی ہر طریقے سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔ یہ تمام حضرت والاؒ کے لئے ذریعۂ آخرت ہیں انشاء اللہ۔ اور نیز آپ مدارس علمیہ و مکاتیب قرآنیہ اور مساجد اور بھی اسی طریقے سے تمام دینی وملّی اور سماجی خدمات کے لئے یادگار تھے ہمیشہ ان کے لئے رات ودن فکر مند اور کوشاں رہتے تھے۔

اور الحمدللہ آپ کئی سال تک دارالعلوم دیوبند کے رکنِ شوریٰ، اور بھی گجرات، مہاراشٹر اور دیگر صوبوں کے مدارس علمیہ اور مکاتیب قرآنیہ کے سرپرست اور روح رواں تھے۔

آپ کی ذات علم وعمل، اخلاص ولِلّٰہیت، عبادت وریاضت، اللہ کا خوف اور رسول ﷺ کی محبت اور سنّت کی پیکر تھی۔

نیز آپ کا خاندان عملیات میں بھی کچھ کم نہ تھا، آپؒ کے عملیات اور آپؒ کے خاندان کے عملیات ہمیشہ بہت موٴثر رہے ہیں۔ آپؒ سے اور آپ کے خاندان سے خلقِ خدا کو بہت فائدہ پہنچا ہے...... باری تعالیٰ تمام کو قبول فرمائیں، آمین۔

احقر ابراھیم آچھودی

تقریظ

از حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
(صدر مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل وخلیفۂ اجل مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ○

حضرت مولانا اسماعیل ابن حافظ احمد راندیری صاحب نور اللہ مرقدہٗ گجرات کی سربرآوردہ شخصیات میں سے تھے، میری تعلیم دار العلوم اشرفیہ راندیر میں ہوئی، میں اپنے زمانۂ طالب علمی سے ان کو جامعہ حسینیہ راندیر کے ناظم کی حیثیت سے دیکھتا اور جانتا رہا، پھر بعد میں حضرت مولانا محمد سعید صاحب راندیری نور اللہ مرقدہٗ کے انتقال کے بعد آپ ہی مہتمم بنائے گئے اور تیس سال تک مسلسل یہ خدمت انجام دیتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے، زمانۂ طالب علمی میں تو کبھی ملاقات کی نوبت نہیں آئی، دور دور سے زیارت ہوجاتی تھی، البتہ گجرات میں امارت شرعیہ کے قیام کے بعد مختصر ملاقات کی نوبت آتی رہتی تھی، حضرت مرحوم کے علمی وروحانی کمالات پر تو وہی لوگ قلم اٹھا سکتے ہیں جن کو ان کی صحبت میں طویل عرصہ رہ کر استفادہ کا موقعہ ملا ہو، یہ عاجز اس سعادت سے محروم رہا، حضرت مرحوم کے نواسہ عزیز گرامی جناب مولوی احمد اشرف راندیری سلمہ جن کو حضرت مرحوم کے ساتھ ایک طویل عرصہ صحبت کا موقعہ ملا اور گھر میں اور گھر کے باہر ہر طرح ان کو دیکھا، انہوں نے اپنے نانا جان کے حالات پر ایک مختصر کتاب ''حیاتِ اسمٰعیلؒ'' ترتیب دی، اپنی مشغولیتوں کی وجہ سے کتاب کا مطالعہ کرنے کی نوبت نہیں آئی البتہ فہرست مضامین کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر اچھا خاصا مواد جمع کردیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو حسن قبول عطا فرما کر لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے اور جامع کتاب کو اپنے اسلاف کے اخلاف وکمالات کا حقیقی معنی میں حاصل کرنے والا بنائے، آمین۔ فقط

أملاہ: احمد خانپوری

۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ

تقریظ

از حضرت اقدس مفتی یعقوب اشرف صاحب راندیری دامت برکاتہم

(مہتمم دارالعلوم اشرفیہ راندیر، شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ صوفی باغ سورت
وخلیفۂ خاص حضرت والا ہردوئیؒ)

نحمدهٗ ونصلّی علی رسوله الکریم، امّا بعد!

عزیزم فرزند احمد سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نانا، احقر کے خسر حضرت حافظ مولانا اسماعیل ابن حافظ احمد موٹا صاحب کی زندگی کے اس سے پہلے بندہ نے بھی کچھ حالات ”تاریخ راندیر“ نامی کتاب میں لکھے ہیں مگر فرزند نے عوام وخواص کیلئے بڑے پُرنصیحت حالات جمع کئے ہیں۔ حالات وہی شخص لکھ سکتا ہے جس نے اس کے ساتھ رہ کر زندگی کو دیکھی اور اس کے ساتھ سفر وحضر میں رہا ہو۔ عزیزم بچپن سے نانا کے ساتھ رہا ہے اور نانا کی زندگی کو بغور دیکھا ہے۔ نانا کو بھی بڑی محبت تھی۔ بچپن میں کھلانے پلانے، کپڑے اور کبھی غسل تک کروایا ہے۔ بندہ کے ساتھ بھی بڑی محبت فرماتے۔ شادی کے بعد ایک لمبے زمانہ تک ہر جمعرات دوپہر اور شام کھانے جانا ضروری تھا۔ بعد میں بندہ نے شام کا باقی رکھا، جانے پر بہت اہتمام فرماتے اور خوش ہوتے۔ کبھی کبھار پرانی باتیں سنایا کرتے، اپنے پڑھنے پڑھانے کی۔ ۴۵ رسال امامت کی۔ الحمدللہ سفر میں بھی ان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ حج اور بیرون کے سفر، قرب وجوار، دور دراز کے سفر میں دیکھا کہ اپنے ورد ووظائف کے پابند، ماتحت والوں کے کھانے پینے کی فکر، ساتھیوں کی طرح خود ضرورت کے موقعہ پر سامان اٹھالینا، پیروں میں تکلیف کے باوجود بھی زینہ کی شکایت نہ کرنا۔ اخیری عمر میں جس طریقے سے اللہ تعالیٰ اپنے بزرگوں کے لئے فتوحات کے دروازے کھولتے ہیں آپ کے

لئے بھی کھول رکھے تھے، اللہ نے خوب نعمتیں عطاء فرمائی تھیں، خود نے بھی خوب کھایا دوسروں کو بھی خوب کھلایا۔ خصوصاً جامعہ حسینیہ کے لئے بھی ہمیشہ کوشاں رہے کہ اس کی مالی تنگی بھی دور ہو۔ جناب ماکڈا صاحب نے سنایا تھا کہ مرحوم مولانا سعید صاحبؒ کے زمانہ میں مالی تنگی رہتی، مولاناؒ کسی مہینہ فرماتے: انشاء اللہ انتظام ہو جائے گا تنخواہ مل جائے گی، مولاناؒ نے کوشش کر کے مالی نظام مضبوط کر دیا۔ اخیری زندگی میں تعمیرات بھی خوب کی، دارالقرآن بھی بنا دیا۔ کیونکہ مولاناؒ بزرگ تھے، لوگوں کی خواہش نکاح اور جنازہ پڑھانے کی رہتی تھی، گویا اس کے ایجنڈ ہی تھے۔ کچھ کتابیں بھی تالیف کیں، ایک دفعہ فرمایا کہ سجدۂ سہو پر بھی کچھ لکھنے کا ارادہ ہے، وہ پورا نہ ہو سکا۔ تعویذات سے بھی خوب فیض پہونچایا۔ مولانا یعقوب صاحب سارودی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ جب سے میں پڑھنے کو آیا میں نے نیک اور وظائف کا پابند پایا۔ بہت سارے حضرات کی خانگی رقومات بھی، جامعہ کا حساب اور بھی کئی جماعتوں کا مال رہتا، پوری طرح سے اس کو لکھ کر حساب کا بھی اہتمام رکھتے، جس کا آج کل عام طور پر فقدان ہے۔ ماشاء اللہ جسمانی طور پر بہت قوی تھے، ڈاکٹر بھی دیکھتے تو کہتے کہ آپ اپنی عمر کے لحاظ سے بہت مضبوط اور صحت مند ہیں۔ بندہ بھی یہ خیال کیا ہوا تھا کہ ابھی کچھ سالوں تک جیسی ضعیفی چاہئے وہ آئے گی، اسی درمیان میں فإذا جاء أجلهم کا موقعہ آ گیا، کہ نہ ایک منٹ آگے نہ ایک منٹ پیچھے وہیں معاملہ پورا ہو گیا۔ کچھ دن پہلے احقر کی اہلیہ نے کہا کہ ابا ایک گھر لے لو، قبرستان کے قریب تھے، فرمایا: ”بیٹا اب تو یہاں گھر تیار ہو رہا ہے، جس دن تیار ہو جائے گا چلے جائیں گے“۔ دلائل الخیرات، درود شریف پابندی سے پڑھتے تھے اور ایسے حضرات کو کبھی وہاں کا مکان دکھایا جاتا ہے۔ اپنے بڑوں سے خصوصاً حضرت میاں اصغر حسین دیوبندیؒ کو دیکھا بھی تھا اور ان کی بزرگی کے بھی بڑے قائل تھے، وصیت کی کہ ان کے بالکل بازو میں دفن کرنا،

اللہ تعالیٰ نے وہ تمنا بھی پوری کی ۔ مدینہ منورہ کی بھی بہت تمنا تھی، جیسے اکابرین کو زندگی کے اخیری دور میں ابتلاء اور آزمائش ہوتی ہے وہ باتیں بھی پیش آئیں ۔ ایسے قحط الرجال کے دور میں ایسے اکابرین کا دنیا سے چلے جانا جو کہ ایسا نیک اور صالح ہو دنیا والوں کے لئے بڑی خیر کے آنے کا ذریعہ ہوتا ہے وہ ایک حدتک کم ہو جاتا ہے ۔ حضرت شبلیؒ کا بغداد میں انتقال ہوا دوسرے ہی دن دشمن نے اس پر چڑھائی کی ۔

اپنے نانا رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اچھا خاصا مضمون جمع ہو گیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ عزیزم کو اپنے اسلاف کے نقشِ قدم کا صحیح وارث بنائے، عمر، علم وعمل میں برکت عطاء فرمائے ۔

خاکپائے بزرگاں

یعقوب اشرف راندیری

خادم دار العلوم اشرفیہ راندیر

بروز منگل ۲۵ ر ذی القعدہ ۱۴۳۱ھ مطابق ۲ ر نومبر ۲۰۱۰ء

تقریظ

از حضرت اقدس مولانا غلام محمد صاحب وستانوی دامت برکاتہم

(رئیس جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا و رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند و خلیفہ حضرت باندویؒ)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ۝

الحمد للّٰہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ ..... امّا بعد!

حضرت اقدس مولانا اسماعیل موٹا صاحب (نوراللہ مرقدہ) کی ذات گرامی سے اہل گجرات بخوبی واقف ہیں۔ بیسویں صدی عیسوی میں جن شخصیات نے صوبہ گجرات کے مسلمانوں کی علمی و اصلاحی تاریخ پر گہرے نقوش ثبت کئے ہیں اور جن کے اثرات عرصہ دراز تک محسوس کئے جاتے رہیں گے ان میں ایک نمایاں نام حضرت مولانا اسماعیل موٹا صاحبؒ کا بھی ہے۔ آپ اپنے زمانہ میں اسلاف واکابر کی روحانی اور علمی یادگار تھے۔ دینی وعلمی میدان میں موصوف کی شخصیت ایک انتہائی اہم اور کلیدی حیثیت کی حامل تھی، آپ کی جامع شخصیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے متعدد غیر معمولی صفات وکمالات کو جمع فرما دیا تھا، آپ اصابتِ رائے، اخلاص وللٰہیت اور علم وعمل کی تصویر دلپذیر تھے۔ ایک عظیم عالم مدبر، بلند پایہ منتظم ومنصرم، مجسم ذکر وفکر، صاحب فہم وفراست، اکابر کے کفش بردار اور اسلاف کے مسلک ومشرب کے داعی ومنادی تھے، قومی غیرت، دینی حمیت اور ملی شعور سے متصف اور اخلاق فاضلہ سے مزین تھے، مدارسِ دینیہ اور مکاتب قرآنیہ کے پاسبان ونگہبان تھے، ایسی گراں قدر شخصیت کے دینی وعلمی اور ملی کارناموں سے عوام وخواص کو متعارف کرنا اور ان کی عظیم الشان علمی خدمات کی طرف اہل علم کو متوجہ کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔

اسی نیک نیت اور مفید مقصد کے پیش نظر حضرتؒ کا تفصیلی سوانحی خاکہ نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔ واقعی حضرتؒ کی دینی وعلمی خدمات وکمالات، حالاتِ زندگی اور نقوشِ

حیات کا یہ حسین وجمیل مرقع ہے، خصوصاً اہل علم کے لئے یہ ایک گراں قدر علمی وعملی تحفہ اور مشعلِ راہ ہے۔ اس سوانح میں علماء اور طلبہ کے لئے قابل استفادہ پہلو ہیں، یہ کتاب مردم سازی میں اہم کردار ادا کرسکتی ہے، اس کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں، یقیناً ان بڑوں کی پاکیزہ زندگی میں ہم جیسے کم مایہ لوگوں کے لئے وافر مقدار میں قابل عبرت اور لائق ہدایت سرمایہ ہوتا ہے۔

حضرت والا سے میرا خصوصی تعلق رہا ہے دیوبند کی شوریٰ میں شمولیت کے لئے بار بار رفاقت سفر کا موقع میسر ہوا اور تعلق مزید گہرا ہوا، الحمد للہ میں نے حضرت والا کو انتہائی بلند اخلاق کا حامل پایا، ویسے بھی میرے وطن کوساڑی کے باشندوں کے علماء راندیر کے ساتھ والہانہ تعلقات رہے، جس کی بنا پر بچپن ہی سے بندہ علماء راندیر سے متعارف رہا، اور الحمد للہ راندیر کو سرزمین گجرات میں قیام مدارس کے باب میں اسبقیت اور اولیت حاصل ہے اور خاص کر جامعہ حسینیہ جو گجرات کا قدیم ترین ادارہ ہے جہاں پر اپنے زمانہ کے نابغۂ روزگار ہستیوں نے طالبان علوم نبوت کی پیاس بجھائی اور الحمد للہ عرصۂ دراز سے وہاں کے فضلاء سرزمین گجرات کو اپنے فیض سے سیراب کررہے ہیں، **اللّٰھم زد فزد.**

یقیناً مولانا موصوف کا بھی جامعہ حسینیہ کی ہمہ جہتی ترقی میں اہم رول اور کردار ہے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے۔ مجھے بیحد خوشی ہوئی جب میں نے موصوف کے نواسے مفتی احمد اشرف ابن مولانا یعقوب راندیری جو نـــجیـــب طرفین اور شابٌ صالحٌ کے مصداق ہیں، کی تحریر کردہ تصنیف ''حیاتِ اسمٰعیلؒ '' دیکھی۔ اللہ تعالیٰ مرتب سوانح حضرت مولانا احمد اشرف راندیری صاحب مدظلہ السامی (مدرس دارالعلوم اشرفیہ راندیر) کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مزید زورِ قلم عطا فرمائے، آمین۔

(مولانا) غلام محمد وستانوی (صاحب) مدظلہ العالی

خادم: جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندربار، مہاراشٹر

تقریظ

از حضرت اقدس مولانا حبیب الرحمٰن صاحب پالنپوری دامت برکاتہم

(استاذ حدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر وخلیفۂ خاص حضرت شیخ قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

رفتید وے نہ از دلِ ما

مجھ حقیر وناچیز سے عزیزم مولانا مفتی احمد بن یعقوب اشرف سلمہ نے بار بار تقاضی کیا کہ آپ کو کچھ لکھنا ہے، چونکہ میں اپنے کو اس کا اہل نہ پاتا تھا اسلئے معذرت کرتا رہا لیکن عزیزم مولوی مفتی احمد اشرف کے اصرار کو دیکھتے ہوئے چند سطریں لکھنے پر مجبور ہوں۔

اس رسالہ کی تصحیح کا کام چونکہ میرے سپرد کیا گیا تھا اسلئے بار بار اس رسالہ کو بالاستیعاب دیکھنے کا موقع ملا جس سے فائدہ یہ ہوا کہ حضرت اقدس محترم ومکرم جناب مولانا اسماعیل بن حافظ احمد موٹا صاحب قدس سرہ کے زندگی کے تمام گوشے نظر سے گزرے۔ ۲۰۰۶ء کے سیلاب کا پانی اترتے ہی میں اپنے گھر کے لئے روانہ ہو گیا تھا، گھر پہنچ کر فون پر یہ اطلاع ملی کہ حضرت اقدس مولانا اسماعیل موٹا صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون اہل راندیر کیلئے خصوصاً اور پورے گجرات کے لئے عموماً یہ ایک عظیم سانحہ تھا، کیسا دیا بجھ گیا تھا اور کتنی تاریکی بڑھ گئی تھی اس کا کوئی غیر کیا اندازہ کر سکتا تھا۔

حضرت اقدس مولانا اسماعیل موٹا صاحب بڑی خوبیوں کے حامل شخصیت تھے آپ عالم بے بدل محسنِ قوم وملت تھے آپ کی شخصیت بہت سے علماءِ ربانیین کی دعاؤں اور تمناؤں کا ثمرہ تھی آپ کو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی صاحب قدس سرہ کے

کفش برداری کا شرف حاصل تھا حضرت مدنی کی خدمت میں رہ کر ایک عرصۂ دراز تک اپنے قلب کی اصلاح کی تھی حضرت مدنی کے وصال کے بعد حضرت جلال آبادی اور حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی دیوبندی قدس سرہما کی نظر عنایت آپ کی طرف رہی تھی اور آخر میں محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب قدس سرہ کی خصوصی توجہات نے آپ کو جامعِ صفات وکمالات عالم دین بنادیا تھا اور دین کے مختلف میدانوں میں سرگرم داعی بنادیا تھا کئی اداروں کے آپ سرپرست تھے اور مجلس شوریٰ کے ممبر تھے۔ اس رسالہ کا مطالعہ کیجئے آپ کو اندازہ ہوگا کہ حضرت والا کی زندگی کیسی تھی اور آپ کن خوبیوں کے حامل تھے۔ اللہ جزاء خیر دے عزیزم مولانا مفتی احمد اشرف صاحب کو انہوں نے بڑا اچھا مواد جمع فرمادیا ہے اور حضرت کی زندگی کے کئی گوشے انہوں نے اجاگر کیے ہیں۔ ان باتوں کو شاید حضرت کے خاص متعلقین بھی نہ جانتے ہوں۔ یہ رسالہ مختصر ہے مگر مفید اور جامع ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا احمد سلمہ کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے اور مولانا مرحوم کے ذکر خیر کے باقی رہنے کا اس رسالہ کو ذریعہ بنائے۔ والسلام

حبیب الرحمٰن پالنپوری عفی عنہ

خادم دار العلوم اشرفیہ راندیر سورت

۱۰ رذی قعدہ ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۹ را کتوبر ۲۰۱۰ء

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

عرض مؤلف

الحمد للہ رب العالمین، والصّلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین
وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین، امّا بعد!

اللہ تعالیٰ کا بے انتہاء فضل وکرم واحسان ہے کہ ''حیاتِ اسماعیلؒ'' کی اس ادنیٰ کوشش وکاوش کو آپ حضرات کی خدمت میں پہنچانے کی سعادت احقر کو عطاء فرمائی۔

بزرگان دین اور اولیاء اللہ کی زندگیاں روشنی کے مینار کی طرح ہیں، جو افراد اور بندگان خدا ان کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں اور اس کے مطابق اپنے اعمال وکردار کو پرکھتے ہیں وہ راہ یاب ہوتے ہیں، اور ان کی زندگیاں تمام مسلمانوں کے لئے درس عبرت اور موعظت ونصیحت ہیں، ان کے ریاضات ومجاہدات سے دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی طرف رغبت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کا پتہ چلتا ہے، ان کے حالات وواقعات پڑھنے سے ذوق عبادت اور شوق طاعت پیدا ہوتا ہے، اور نیز اکابرین وبزرگان دین کے حالات زندگی، واقعات ومناظر زندگی، اطوار وعادات، معاملات ومعاشرت، قول وفعل یہ تمام باتیں عوام الناس کے لئے عموماً اور محبین ومقربین اور معتقدین کے لئے خصوصاً مفید، قابل عبرت اور مشعلِ راہ ونمونہ ثابت ہوتے ہیں۔

حضرت اقدس نانا جانؒ کی ذات بابرکت بھی گوناگوں خصوصیات وصفات کی حامل شخصیت تھی، آپ کی ذات اقدس بھی اخلاص وللّٰہیت، تواضع وانکساری، جود وسخا، ذکر وشغل، زہد وتقویٰ، صبر وقناعت، خبر گیری وہمدردی، خدمت خلق واتباع سنت، اعتماد وتوکل

علی اللہ، سادگی وخاموشی، سنجیدہ وباوقار، صداقت ودیانت، شرم وحیاء، خوف الٰہی اور محبت و عظمت رسول ﷺ کی پیکر تھی، اللہ تعالیٰ نے بہت ساری خوبیوں اور اعلیٰ صلاحیتوں سے آپ کو نوازا تھا اور حقیقتاً آپ کی ذات راندیر کے قدیم اکابرین و اسلاف کے سلسلۃ الذھب کی بہترین کڑی و یادگار اور بحیثیت ایک نمونہ تھی۔

اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے حالات زندگی اور سوانح لکھنے کے فوائد کو ملحوظ رکھنے کی خاطر ہر دور میں اکابر کی باتیں، اقوال وافعال اور حالات زندگی جمع کئے جاتے رہے اور ان سے بھرپور استفادہ کیا جاتا رہا ہے، انہیں فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ضرورت سمجھتے ہوئے احقر نے بنام "حیات اسمٰعیلؒ" کتاب کو لکھ کر ترتیب دیا ہے تاکہ ہم صاحب سوانح (حضرت اقدس مولانا اسماعیل بن حافظ احمد ملاّ (موٹا) راندیری رحمہ اللہ تعالیٰ) کی مخصوص اور پوشیدہ زندگی اور حالات وخدمات سے بھی واقف ہوسکیں۔

غرض یہ کہ سوانح اور حالاتِ حیات وحالاتِ وفات لکھنے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کی زندگی میں جو کمالات ظاہری و باطنی اور تعلق مع اللہ کی جو کیفیت اور آخرت کی فکر اور اس کی تیاری اور رضائے الٰہی کی جو کوشش پائی جاتی تھی ان کے حالات پڑھ کر وہ ہمارے اندر بھی پیدا ہوجائے۔

بعدہٗ یہ خوش نصیبی تھی کہ حضرت نانا جان رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ احقر کو پانچ مہینہ کا تھا اس وقت سے تقریباً بیس سال کا ہوا تب تک یعنی وفات تک برابر رات اور دن، سفر و حضر ہر جگہ ساتھ ساتھ رہنے اور بہت ہی قریب سے دیکھنے اور سننے کا موقع اور خدمت کا شرف حاصل ہوا اور آپ کی ذاتِ عالی کی یہ کرم فرمائی اور مجھ سے خصوصی محبت اور تمام بچوں میں اکلوتا نواسہ ہونے کی حیثیت سے کبھی کبھی ایسے ہی خوشی سے اور کبھی کبھی دریافت کرنے پر اکثر باتیں بیان فرماتے رہتے تھے، اور بعض مرتبہ فرماتے تھے کہ بیٹا احمد کبھی کبھی موقع بہ

موقع میں تجھے کچھ باتیں سناتا ہوں اورزیادہ تر تو تو ہی مجھ سے کچھ نہ کچھ دریافت کرتا رہتا ہے اور یاد بھی رکھتا ہے اس کی مجھے بہت ہی خوشی ہے۔اور بعض مرتبہ حضرت نانا جانؒ نے جب بندہ اکیلا بیٹھ کر آپ سے باتیں کرتا تھا تو اپنی دلی باتیں اوراپنی خصوصی وصیتیں بھی سناتے تھے اور فرماتے تھے کہ بھائی میری جتنی باتیں تجھے بتلاتا ہوں اورتو اپنے شوق سے معلوم کرتا رہتا ہے اتنی باتیں میں نے کسی کو نہیں بتائی ہیں۔

غرض یہ کہ یہ ساری چیزیں حضرتؒ کی احقر کے ساتھ خصوصی محبت وشفقت کا نتیجہ تھیں اورآپ کی خصوصی توجہات کی ایک دلیل تھی، اسی وجہ سے جو یہ حالات قلمبند کئے ہیں وہ حضرتؒ سے موقع بہ موقع پوچھی اورسنی ہوئی باتیں اور بالکل قریب رہ کر ایک اتنا لمبا عرصہ آپ کی زندگی کو دیکھنے کا موقع اور خدمت کا شرف حاصل رہا اس کی کچھ یادیں ہیں، ورنہ آپ نے کسی کو بھی اپنی زندگی بالترتیب اپنے طور سے نہیں لکھوائی ہے، ہمیشہ منع فرماتے رہے کہ ’’میں کیا اورمیری زندگی کیا‘‘۔

حضرت اقدس نانا جانؒ کی اس عالم فانی سے رحلت کے بعد کافی ضرورت تھی کہ آپ کے حالات زندگی، معمولات عمومی وخصوصی، کمالات ظاہری وباطنی وغیرہ کو اجاگر کیا جائے تاکہ رہتی دنیا تک لوگ ان سے متعارف اوران کے فیوض سے مستفیض ہوسکیں۔

بارہا ارادہ کیا کہ اپنی اس محبوب ترین ہستی کے بارے میں کچھ قلمبند کروں جس میں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے خصوصاً ایک شفیق ترین نانا کی مٹھاس، ایک بالغ نظر مربّی کی توجہ وعنایتیں، اورایک مونس وغمگسار کی ہمدردیاں بیک وقت جمع فرمادی تھی لیکن ہزار کوشش کے باوجود بھی آپ کی وفات پر فوری طور سے چند اوراق کے علاوہ کچھ نہ لکھ سکا۔اس کے بعد مدرسہ کھلنے کی وجہ سے اوراس وقت بندہ درجۂ عربی پنجم مین ہونے کی وجہ سے کام موقوف ہوکر تین سال تک بند رہا۔ پھر واپس فکر دامنگیر ہوئی اورالحمدللہ دل میں پہلے ہی

سے ارادہ بھی تھا کہ حضرت نانا جانؒ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کے کچھ نہ کچھ حالاتِ زندگی ہونے ہی چاہئیں اور حضرتؒ کے احباب اور معتقدین کا اصرار بھی مجھ سے رہا کہ میں آپ کی ذاتِ عالی کے متعلق کچھ قلمبند کروں، پھر توفیقِ الٰہی سے افتاء کے سال میں تعطیلات عید الاضحٰی زیادہ ہونے کے سبب اس میں اس کام کو نصرتِ الٰہی سے انجام دیا اور کام مکمل ہونے پر قبلہ والد ماجد حضرت اقدس مفتی یعقوب اشرف صاحب دامت برکاتہم (مہتمم دار العلوم اشرفیہ راندیر، شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ صوفی باغ سورت وخلیفۂ خاص محی السنۃ حضرت والا شیخ ابرار الحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ) کو بتلایا اور دیکھنے کے بعد آپ نے خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے ہمت افزائی فرما کر حکم دیا کہ میں اس کو اپنے استاذ المکرّم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب پالنپوری دامت برکاتہم (استاذ الحدیث دار العلوم اشرفیہ راندیر وخلیفۂ خاص حضرت شیخ قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم العالیہ) کو بھی ایک نظر دیکھنے کے لئے دوں۔ تو حضرت مولانا دامت برکاتہم نے بھی مصروفیتوں کے باوجود اس کو بہت ہی خندہ پیشانی سے دیکھا اور ہمت افزائی فرمائی۔ پھر اب ان دونوں حضرات کی نظرِ ثانی اور اکابرین و بزرگانِ دین کی وقیع تقریظات کے بعد مجموعۂ ھٰذا کو بنام ''حیاتِ اسمٰعیلؒ'' منظر عام پر لایا جا رہا ہے اور یہ سب سے پہلا گلدستہ جو آپ کی وفات کے تقریباً چار سال کے بعد تحریری شکل میں نظرِ ناظرین کیا جا رہا ہے۔

یہ مجموعہ الحمد للہ کچھ وقت پہلے سے تیار ہو چکا تھا لیکن دیگر امور کی وجہ سے اندازے سے زیادہ تاخیر ہوگئی، دراصل صحیح بات یہ ہے کہ **کل شیئ مرھون بأوقاته** یعنی ہر شی کا ایک وقت مقرر ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کو ''دیر آید درست آید'' کا مصداق بنائیں اور آنے والی نسلوں کو اپنے اکابر کے کارناموں اور محنتوں سے واقفیت حاصل کر کے اپنے لئے اُسوہ اور نمونہ

بنانے کی توفیق عطاء فرمائیں اور حضرت ناناجان رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت فرما کر بلند سے بلند درجات عطاء فرمائیں۔ اور نیز جن جن حضرات نے بھی اس کارِ خیر میں جس انداز سے بھی تعاون اور مدد فرمائی ہے اللہ تعالیٰ ان کو بھی دارین میں بہترین بدلہ عطاء فرمائیں۔ اور احقر کی اس حقیر کوشش و کاوش کو شرف قبولیت بخش کر اپنی رضا نصیب فرمائیں اور توشۂ آخرت ونجات کا ذریعہ بنائیں اور امتِ مسلمہ کے حق میں نافع بنائیں اور قبول فرمائیں،

آمین یا رب العالمین بجاہ النبی الأمّی.

(مولانا) احمد بن مفتی یعقوب اشرف راندیری

بروز جمعہ بعد المغرب

۶/ذوالقعدۃ ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۵/اکتوبر ۲۰۱۰ء

ایک اجمالی جائزہ

از: (مولانا) احمد اشرف راندیری

اسمِ گرامی: اسماعیل بن حافظ احمد ملاّ (موٹا) رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

سنِ ولادت: بروز منگل، ۴؍رمضان المبارک ۱۳۴۰ھ مطابق ۲؍مئی ۱۹۲۲ء

تعلیم و فراغت: دس سال کی مختصر مدّت یعنی ۱۹۳۲ء میں قرآن مجید جامعہ حسینیہ راندیر میں حفظ کیا، اس کے بعد جامعہ حسینیہ راندیر ہی میں ابتدائی تعلیم سے آغاز فرما کر ۱۹۴۲ء میں جامعہ ہی سے فراغت حاصل کی۔

دستارِ فضیلت: آپ کی فراغت کے سال جامعہ حسینیہ کے سالانہ جلسہ میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مفتیٔ اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا سعید صاحب دہلویؒ تشریف لائے تھے۔

خدمات: فراغت کے بعد ابتداء میں آپ نے جامعہ حسینیہ ہی میں پڑھانا شروع کیا لیکن یہ تدریس کا سلسلہ چند سال رہا اپنے بزرگوں اور بڑوں کی وفات کے بعد بیک وقت اچھی خاصی ذمّہ داریوں کو بحسن و خوبی نبھانے اور انتظامی امور کو سنبھالنے کی مصروفیت اور قلّتِ وقت ایک ایسی مجبوری تھی جس کی بناء پر رنجیدہ دلی سے اس سلسلہ کو موقوف کرنا پڑا جس کا افسوس تادمِ حیات فرماتے تھے۔

جامعہ حسینیہ میں نظامت و عہدۂ اہتمام: ۱۹۵۴ء اکتوبر میں ناظم جامعہ یعنی آپ کے والد ماجد حضرت حافظ احمد ملاّؒ کے انتقال کے بعد آپ کو اپنے والد بزرگوار کی جگہ ناظم مقرر کیا گیا جس کو آپ نے ۱۹۷۶ء یعنی مسلسل ۲۲؍سال

حضرت مولانا سعید صاحبؒ کے انتقال کے وقت تک سنبھالا۔ پھر اس کے بعد ۱۹۷۶ء میں آپ جامعہ حسینیہ راندیر کے مہتمم مقرر ہوئے جس کو آپ نے اپنے اخیری دم تک یعنی اگست ۲۰۰۶ء تک مسلسل ۳۰ رسال بحسن و خوبی انجام دیا۔ غرض یہ کہ حضرت نانا جانؒ کی جامعہ حسینیہ راندیر سے اپنے پڑھنے کے زمانہ کے علاوہ عہدۂ نظامت واہتمام پر رہتے ہوئے ۵۲ رسال ایک لمبے عرصے تک بحیثیت خدمت دین، خالصۃً لوجہ اللہ اور خدمت فی سبیل اللہ کرتے ہوئے مکمل وابستگی رہی۔ اور نیز حفظ ہونے سے لے کر ۱۹۵۴ء تک یعنی ناظم بننے تک اگر سال کی گنتی کی جائے تو تقریباً ۲۲ رسال ہوتے ہیں تو اس اعتبار سے یعنی پڑھنے، پڑھانے اور عہدۂ نظامت و اہتمام کے ساتھ تادمِ حیات اپنے مادرِ علمی اور خاندانی اکابر کی یادگار جامعہ حسینیہ راندیر کے ساتھ ۷۴ رسال تک کم وبیش مسلسل وابستگی رہی۔

بانی وسرپرست: جامعہ حسینیہ راندیر میں خدمات کے ساتھ ساتھ آپ نے احمد آباد جیسے قدیم شہر میں بمقام سرخیز ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جو حضرت نانا جانؒ کی جدو جہد کا نتیجہ اور مخلصانہ کوششوں کا ثمرہ اور نیز آپ کے معتمد مفتی امتیاز صاحبؒ کی مخلصانہ محنتوں کے ذریعہ سے ایک جامعہ کی شکل میں آج موجود ہے جو ''جامعہ دار القرآن'' کے نام سے مشہور ہے۔ نیز آپ کئی مدارسِ دینیہ ومکاتب قرآنیہ کے سرپرست اور دار العلوم دیو بند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور جامعہ حقانیہ کٹھور وغیرہ کئی بڑے بڑے دینی اداروں کے رکن شوریٰ بھی تھے اور آپ نے دیگر دینی، ملی وسماجی خدمات بھی حسن وخوبی سے انجام دی۔

امامت و خطابت: راندیر کی مشہور و معروف تائی واڑا جمعہ مسجد میں اپنی عمر عزیز کے تقریباً ۴۵ یا ۴۶ ر سال تک امامت و خطابت کی خدمت کو انجام دیا اور ساتھ ساتھ تقریباً ۲۹ ر سال تک مسلسل راندیر کی مشہور و معروف تاریخی عیدگاہ میں بھی ایک ممتاز خطیب کی حیثیت سے عید کی امامت و خطابت کو بہت عمدہ طریقے پر انجام دیا جس کی وجہ سے آپ کو ''خطیبِ عیدین'' کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

بیعت و ارشاد: حضرت نانا جانؒ کے سب سے اوّل شیخ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ ہیں، پھر حضرت فقیہ الامّت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مسیح الامّت مولانا مسیح اللہ جلال آبادیؒ سے بیعت کی درخواست کی لیکن ان دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ آپ ہم سے استفادہ فرماتے رہیں لہٰذا آپ ان دونوں بزرگوں کے ارشاد پر عمل پیرا رہ کر ان سے استفادہ فرماتے رہے، پھر ان دونوں بزرگوں کے انتقال کے بعد باقاعدہ بیعت شیخ ثانی محی السنہ حضرت شیخ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ سے ہوئے۔

خصائل و محامد: خدمت خلق، عشق قرآن واتباعِ سنّت، جود و سخا، اخلاصِ عمل، صلاۃ تہجد کی پابندی، دوامِ ذکر و فکر، مدارسِ دینیہ و مکاتبِ قرآنیہ کی فکر اور دھن، فقراء و غرباء سے محبت و امداد وغیرہ۔

سنِ وفات: بروز سنیچر، ۱۷ ر رجب المرجب ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۲ ر اگست ۲۰۰۶ء

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولادتِ باسعادت

بروز منگل، ۴ر رمضان المبارک ۱۳۴۰ھ بمطابق ۲رمئی ۱۹۲۲ء کو راندیر سورت کے ایک نیک گھرانے میں ہوئی۔ دادا کے نام پر اسماعیل نام رکھا گیا۔ والد بزرگوار کا نام احمد تھا جو جامعہ کے ناظم اور راندیر کے مشہور بزرگ ماہر عامل تھے۔

تعلیم

۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں قرآن مجید کا حفظ دس سال کی عمر میں مکمل کیا، حفظ کے استاد حافظ یار خان ٹونکیؒ ہیں، حفظ بالا پیر کے فیض اعظم بلڈنگ کے تہہ خانہ میں کیا، جامعہ حسینیہ وہیں پر شروع ہوا تھا پھر جامعہ میں ابتدائی تعلیم کا آغاز ہوا اور ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں جامعہ ہی سے فراغت حاصل کی۔ دورۂ حدیث کی کتابیں حضرت مولانا محمود الحسن اجمیریؒ سے پڑھیں اور دیگر کتابیں حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب ٹونکیؒ، حضرت مولانا محب اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا شرف الدین صاحبؒ، حضرت مولانا سعید صاحب راندیریؒ اور حضرت مولانا احمد اللہ صاحبؒ وغیرہ اپنے وقت کے ماہر اور بزرگ اساتذہ سے پڑھیں۔

جامعہ حسینیہ میں تعلیمی خدمت

آپ نے ۱۹۴۵ء سے درس کی ابتداء کی اور آپ اسی کے ساتھ ساتھ دوسری اہم ذمہ داری بھی ادا کرتے رہے۔ پھر جیسے خدائی نظام ہے کہ آنے کے بعد جانا ہے، بڑے بڑے حضرات جو تھے وہ اللہ کو پیارے ہوتے رہے تو دیگر ذمہ داریاں بڑھتی رہیں، یہاں تک کہ درس کا وقت کم ملتا تھا تو درس آہستہ آہستہ چھوٹ گیا جس پر آپ ہمیشہ صدمہ کا اظہار فرماتے۔

جامعہ حسینیہ میں بحیثیت ٹرسٹی وناظم

۱۹۵۴ء میں حضرت مولانا ابراہیم صاحب راندیری (بانیٔ مرحوم کے بھائی) کے انتقال کے بعد جامعہ حسینیہ میں ٹرسٹی مقرر ہوئے اور ۱۹۵۴ء اکتوبر میں والد صاحب حضرت حافظ احمد موٹاؒ (ملاّ) کے انتقال کے بعد جامعہ حسینیہ کی ذمہ داریاں بحیثیت ناظم آپ کے سپرد ہوئی۔

جامعہ حسینیہ میں بحیثیت مہتمم

آپ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۷۶ء بائیس سال تک ناظم کی حیثیت سے رہے۔ ۱۹۷۶ء میں مولانا سعید صاحب راندیریؒ کے انتقال کے بعد آپ جامعہ حسینیہ کے اہتمام پر فائز ہوئے جس کو آپ نے اپنی اخیری زندگی اور اخیری دم تک بڑی خوبی اور اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر رہ کر کامیاب طریقے پر انجام دیا اور آپ کا تیس سالہ دورِ اہتمام جامعہ کے لئے آبدار، تابدار، شاندار اور جاندار ثابت ہوا۔ آپ نے جامعہ میں جو خدمت کی تو شروع شروع میں اشد ضرورت کی وجہ سے تنخواہ لیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو مال عطا فرمایا اور فتوحات کے دروازے کھولے تو آپ نے تنخواہ لینا بند کر دیا اور جو ابتداء میں ضرورت کی وجہ سے لیا تھا اس کو بھی ادا کر دیا، گویا کہ آپ نے اپنی پوری زندگی خدمت فی سبیل اللہ انجام دی۔

تائی واڑا جمعہ مسجد میں امامت وخطابت

راندیر کی مشہور قدیم پیر عمر قاری (تائی واڑا) مسجد کی امامت تقریباً ۴۵ یا ۴۶ سال تک کی۔ یہ مدت مختصر نہیں ہے پھر بھی پوری پابندی کے ساتھ سردی گرمی میں وقت کا پورا خیال رکھتے ہوئے یہ ذمہ داری ادا کی۔ امامت کے عہدے سے مستعفی ہونے کے لئے

مسجد کے متولی مرحوم یوسف الُو صاحب کو اطلاع کی کہ مجھے مدرسہ کے کام کے لئے جانا آنا ہوتا ہے اس لئے حاضر ہونا مشکل ہے، امامت کی اس ذمہ داری کو چھوڑنا چاہتا ہوں، تو متولی صاحب نے انکار کیا کہ اس مسجد کے دفتر پر آپ کا نام پوری زندگی رہے گا چاہے آپ خود نماز پڑھائیں یا دوسرے کسی کو مقرر فرمائیں۔ پھر آپ نے یہ ذمہ داری اپنے فرزند مولوی ہاشم صاحب کے حوالہ کی، صرف جمعہ کی نماز یا امام صاحب کی غیر حاضری میں نماز پڑھاتے تھے۔ اور نیز ابتداء میں اشدّ ضرورت کی وجہ سے تنخواہ لیتے تھے لیکن پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال عطا فرمایا تو تنخواہ لینا بند کر دیا اور ابتداء میں جو ضرورت کی وجہ سے لیا تھا اس کو بھی ادا کر دیا، گویا کہ آپ نے اپنی پوری زندگی خدمت فی سبیل اللہ انجام دی۔

راندیر کی مشہور قدیم عیدگاہ میں امامت وخطابت

آپ نے راندیر کی مشہور عیدگاہ میں تقریباً ۲۹/سال تک دونوں عیدوں کی امامت بڑی حسن وخوبی سے انجام دی۔ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے اور نرالہ انداز اور خوش الحان خطبہ سننے لوگ دور دور سے حاضر ہوتے۔ آپ بھی سوائے حج وعمرہ کے مصلّی حضرات کی تمنا اور خواہش پر پوری پابندی سے حاضر رہتے تھے۔ اور آپ کے انتقال کے بعد احقر کو محبت رکھنے والے ایک صاحب نے کہا کہ تو ناناجان کا خاص آدمی ہے، قبر پر جا کر کہہ کہ ’’عید کی نماز کے لئے آتے رہو بعد نماز جا کر قبر میں آرام کرو‘‘۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی مقبولیت عطا فرمائی تھی۔ عیدگاہ میں اتنے لمبے وقت امامت کا موقع اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

انتقال کے بعد پہلی عید پر لوگوں نے آپ کی کمی محسوس کی اور اس لطف سے محروم رہے۔

بیعت کا تعلق

یہ دل تبہ کار گو میں ہوں لیکن — فدائی ہوں اللہ کے عاشقوں کا
یہ امید رکھتا ہوں لطفِ ازل سے — کہ اس دل میں پرتو پڑے صادقوں کا

حضرت کا بیعت کا تعلق شروع ہی سے شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تھا۔ ان کے انتقال کے بعد پھر چاہا کہ اپنا بیعت کا تعلق فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ سے رکھیں لیکن جب بیعت کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ارادہ کا اظہار فرمایا تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ آپ کا بیعت کا تعلق جو ہمارے استاد حضرت مدنیؒ سے تھا وہی کافی ہے لیکن حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی طرف سے کچھ معمولات کا اضافہ فرمادیا۔ لیکن پھر بھی حضرتِ والا کو مرشد کی تلاش تھی اور حضرت یہ چاہتے تھے کہ اپنا ہاتھ کسی بڑے کے ہاتھ میں رہے اور میں کسی بڑے کے زیر سایہ رہوں اس لئے پھر وہی مرشدِ حق کی تلاش نے تڑپایا اور جلال آباد پہنچنے پر مجبور کردیا اور پھر حضرت والاؒ جلال آباد حضرت مسیح الامت شیخ مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ کی خدمت اقدس میں پہنچے اور پھر بیعت کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت والا مسیح الامتؒ نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت مفتی محمود الحسن صاحبؒ نے دیا تھا اور فرمایا کہ آپ کا بیعت کا تعلق جو ہمارے استاذ سے تھا وہ کافی ہے البتہ میں اپنی طرف سے کچھ معمولات بتلا دیتا ہوں اس کو پڑھتے رہنا۔ پھر ایک عرصہ اسی طرح مرشد کی تلاش میں گذر گیا، اپنے انتقال سے کچھ سال پہلے ممبئی جا کر محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ کے سامنے وہی بیعت کا ارادہ ظاہر کیا (بواسطہ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی یعقوب اشرف صاحب کے اس ارادہ کا اظہار فرمایا) چنانچہ حضرت والاؒ نے اس بیعت کے ارادہ کو شرفِ قبولیت سے نوازا

اور پھر بعد صلوٰۃِ مغرب حضرت والاؒ کو بیعت فرمالیا (اس نورانی بیعت کی محفل میں احقر (راقم الحروف) اور میرے والد ماجد مفتی یعقوب اشرف صاحب بھی موجود تھے) پھر حضرت والا ہردوئیؒ نے معمولات کے متعلق پوچھا کہ آپ کتنا ذکر کرتے ہو کتنا قرآن پڑھتے ہو اور دوسری کچھ چیزیں پوچھیں تو آپ نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ میں اتنا ذکر کرتا ہوں اور قرآنِ کریم کے روزانہ دو پارے تلاوت کرتا ہوں تو حضرت والا ہردوئیؒ ویل چیئر پر ٹیک لگا کر تشریف فرماتھے تو فوراً آگے کی طرف ہوتے ہوئے تعجب کرتے ہوئے پوچھا: کیا ماشاء اللہ آپ اتنی عمر میں بھی روزانہ دو پارے پڑھتے ہو؟ پھر حضرتؒ نے بھی کچھ معمولات بتلائے تو راقم الحروف نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت والاؒ آخری زندگی تک بلا ناغہ تمام بزرگوں کے معمولات کو ہمیشہ پابندی سے تہجد کے بعد فجر سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔ پھر حضرت والا ہردوئیؒ کا انتقال ہوگیا تو بیعت کے لئے پھر مرشد کی تلاش ہوئی تو آپ نے سوچا تھا اور راقم الحروف کے سامنے بھی بیان فرمایا تھا کہ اب میں محدثِ عصر حضرت شیخ محمد یونس صاحب جونپوری دامت برکاتہم سے بیعت کا تعلق قائم کرلوں گا لیکن جب حضرت شیخ اس کے بعد راندیر تشریف لانے والے تھے اس سے آٹھ دس دن قبل ہی حضرتؒ نے خود دنیا کو خیرآباد اور الوداع کہہ دیا اور حضرت کا وصال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت والاؒ کے والدین کی حضرت سے غایت درجہ محبت

ایک مرتبہ مجھے (راقم الحروف کو) حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ میری والدہ ماجدہؒ تو مجھ سے بہت ہی محبت فرماتی تھیں (احقر راقم الحروف نے بھی حضرت نانا جانؒ کی والدہ ماجدہ کو دیکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو طول حیات نصیب فرمائی تھی) لیکن میرے والد صاحب (یعنی حضرت حافظ احمد موٹا ملاؒ) بھی مجھ سے انتہائی درجہ محبت فرماتے تھے، پھر حضرت والاؒ

نے مجھ کو (راقم الحروف کو) فرمایا کہ جب تک میں رات کو باہر سے گھر پر نہ آتا وہاں تک میرے والد صاحب (حضرت حافظ احمد موٹاؒ) کھڑکی میں سے دیکھتے رہتے تھے اور انتظار کرتے رہتے تھے کہ ابھی اسماعیل نہیں آیا اور جب میں آجاتا اور میرے والد صاحب مجھے آتا ہوا دیکھ لیتے تو پھر فوراً سوجاتے کہ اسماعیل اب آگیا ہے، یہ حضرت والاؒ کے ساتھ ان کے والد صاحب کی انتہائی محبت کی علامت تھی۔(حضرت والا نانا جانؒ کا مکان حضرتؒ کے والد صاحب حافظ احمد موٹا ملاؒ کے مکان کے سامنے تھا لیکن کھانا پینا وغیرہ حضرت والاؒ کا حضرتؒ کے والد صاحب (حضرت حافظ احمد موٹا ملاؒ) کے ساتھ ہی تھا، والد صاحب (حضرت حافظ احمد موٹا ملاؒ) کی حیات تک۔) پھر ایک مرتبہ حضرت نانا جانؒ نے احقر (راقم الحروف) سے فرمایا کہ ابتدائی جوانی میں میرے تین چار آپریشن ہوئے تھے تو جب بھی میرا آپریشن ہوتا تو میرے والد صاحب (حضرت حافظ احمد موٹا ملاؒ) فوری طور پر ہر مرتبہ ایک بکرا صدقہ کے طور پر ضرور ذبح فرماتے تو حضرت نانا جان فرماتے تھے کہ یہ درحقیقت میرے والد صاحب کی میرے ساتھ محبت ہونے کی دلیل تھی۔ان باتوں کو حضرت نانا جانؒ ہمیشہ یاد فرما کر آبدیدہ ہو جاتے تھے کہ والدین کی کیا محبت تھی جواب ان کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی بڑی یاد آتی ہے اور وہ محبتوں کے نقشے ہمیشہ دماغ کے سامنے گھومتے رہتے ہیں۔پھر فرماتے احقر (راقم الحروف) کو مخاطب کر کے گویا کہ تمام کو یہ پیغام عظیم دیتے تھے کہ والدین کی قدر اُن کی زندگی میں خوب کرلوں ورنہ پھر ان کے دنیا سے جانے کے بعد خوب پچھتاؤ گے اور خوب روؤ گے لیکن پھر کف افسوس ملنے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا لہٰذا ان کو ان کی زندگی میں اپنے سے خوب خوش رکھو، ان کی خوب دُعائیں لو اور ان کی خوب خدمتیں کرو اور ان سے ہر طرح کا خوب فائدہ اٹھاؤ۔اور پھر ایک آہ بھرنے کے ساتھ بڑے سوز و گداز کے ساتھ یہ بات حضرت نانا جانؒ فرماتے تھے کہ بیٹا (راقم

الحروف) دنیا میں پیسوں کے ذریعہ سے بازار اور مارکیٹ میں بہت کچھ مل جائے گا لیکن مخلص، وفادار، محبت رکھنے والے، تمہاری ہر ضرورت کو ہر وقت پورا کرنے والے، ہر وقت تمہاری فکر اور دھیان رکھنے والے، بچپن سے لے کر بڑے ہونے تک اور اس کے بعد بھی سدا تم کو خوش وخرم رکھنے والے، تمہاری تمام تر غلطیوں کے باوجود دوسروں سے ان غلطیوں کو چھپا کر رکھنے والے اور ہمیشہ اپنی اولاد کو معاف کرنے والے، غرض یہ کہ ان تمام اوصاف حمیدہ ورشیدہ کی حامل شخصیت یعنی کہ والدین دنیا بھر کی مارکیٹوں اور بازاروں میں کثیر پیسوں سے بھی نہیں ملیں گے اور تم ان کو حاصل نہیں کر پاؤ گے، پھر تم کو والدین کی وفات کے بعد یہ عظیم نعمتِ خداوندی کی قدر ہوگی۔ اور گویا کہ مجھ کو میرے حضرت نانا جانؒ ان مذکورہ باتوں کو بیان فرما کر اس شعر کی تشریح میرے سامنے کرنا چاہتے تھے جس کو کسی شاعر نے اپنے الفاظ میں یوں کہا ہے:

خاک اُڑاتے آئیں گے میری لحد پر دیکھنا
قدر ہوگی ان کو میری میرے مرجانے کے بعد

(**نوٹ**: حضرت نانا جانؒ نے احقر راقم الحروف کو بڑے ہی پرسوز لہجہ میں دلی کیفیات کے ساتھ ایک مرتبہ بعد العشاء اور ایک مرتبہ بعد العصر اس کو بیان فرمایا اور فرمایا کہ بیٹا! جو بھی باتیں میں تجھے سناتا ہوں اور تو شوق سے سنتا ہے اور پوچھتا رہتا ہے تو کبھی موقعہ سے میری ان باتوں کو بھی سناتے رہنا میں تجھ سے بہت خوش ہوں اور تجھ سے مجھ کو بہت ہی امیدیں وابستہ ہیں باوجود نواسہ ہونے کے)

یاد میری سنبھال کر رکھنا　　　میرا کیا میں رہا نہ رہا

ابتدائی جوانی میں ملک برما سے پانچ سو روپئے ماہانہ مشاہرہ پر امامت وخطابت کی پیشکش

ایک مرتبہ حضرت نانا جانؒ نے مجھ سے فرمایا کہ بالکل ابتدائے جوانی میں مجھ کو برما (رنگون) سے ماہانہ ۵۰۰/روپیہ مشاہرہ پر ان لوگوں نے مدعو کیا اور ۵۰۰/روپیہ کی قیمت تو اس وقت ایسی تھی جیسے آج کل ہزاروں روپیہ کسی کے پاس ہو، تو حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ میرے والد صاحب کی خوشی نہیں تھی کہ میں یہاں سے جاؤں لہٰذا میں نے برما والوں کو صاف صاف لکھ دیا کہ میں آپ کے یہاں نہیں آسکتا۔ اگر میں ان کی بات کو مان کر چلا جاتا تو آج پوری زندگی میں پریشان رہتا پھر بھی وہ لوگ مجھے بہت ہی اصرار کرتے تھے کہ آپ کو یہاں کی دعوتِ امامت وخطابت قبول کرنی ہی ہوگی تو اب میں نے دوبارہ سوچا کہ اس بات کو میرے والد (حافظ احمد ملاّ) صاحب کے سامنے کیسے پیش کروں گا اس لئے کہ میں والد صاحب سے بہت ہی ڈرتا تھا اور بغیر کام کے ان سے کوئی بات بھی نہیں کرتا تھا بلکہ جس کمرہ میں میرے والد صاحب ہوں تو اس کمرہ کے سامنے سے میرا گزرنا ڈر اور ادب کی وجہ سے دشوار ہو جاتا تھا، اس لئے اس بات کو پوچھنے کیلئے میں نے میری والدہ ماجدہ سے کہا کہ آپ اس بات کو والد صاحبؒ سے پوچھ لیجئے۔ جب میری والدہ ماجدہؒ نے اس بات کو میرے والد ماجدؒ کے سامنے رکھا اور پوچھا کہ اسماعیل وہاں (رنگون) جائے یا نہ جائے تو میرے والد صاحبؒ نے فوراً فرمایا کہ اسماعیل کو بولنا کہ ان کو (رنگون والوں کو) منع کردے اور نہ جائے اس لئے کہ عالم ہونے کے باوجود وہ یہاں سے چلا جائے گا تو پھر میری جامعہ حسینیہ راندیر یعنی مدرسہ کی جگہ کو کون سنبھالے گا، اس کو تو یہیں پر کام کرنا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو یہیں پر اتنی حلال روزی دے گا کہ وہ یہاں رہتے ہوئے بھی اپنے بال بچوں

میں خوش رہے گا۔ اور ہوا بھی ایسا ہی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والاؒ کے والد صاحب کی دعا کو حضرتؒ کے حق میں ہر طرح قبول کرلیا۔

غرض یہ کہ حضرت نانا جانؒ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے والدین کی خوشی میں اللہ کی خوشی ہے، ان کو پوچھے بغیر کسی بھی معاملہ میں آگے نہ بڑھو اور ان کو ناراض نہ کرو اور وہ جو کہیں اور جیسا کہیں اس پر عمل کرو اور اسی میں خیر بھی ہے۔

حضرت والاؒ کا پہلا نکاح

حضرت نے پہلا نکاح زبیدہ خاتون سے فرمایا جو بڑی نیک اور دیندار تھیں۔ حضرت کا یہ پہلا نکاح جس دن آپ نے تعلیمی فراغت حاصل کی اسی دن رات میں حضرت مفتیٔ اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ نے نگینہ مسجد راندیر میں بعد صلوٰۃ عشاء پڑھایا۔ لیکن حضرت کی اس اہلیہ کا انتقال تھوڑی ہی مدت میں ہوگیا جن کے بطن سے دو اولاد ہوئیں: (۱) جناب یعقوب صاحب (جو حضرتؒ کے سب سے بڑے لڑکے ہیں) (۲) حواء بیگم (جن کا انتقال حضرتؒ کی زندگی میں حضرتؒ کے سامنے ہوگیا)

حضرت والاؒ کا دوسرا نکاح

پھر حضرت نے دوسرا نکاح خدیجہ خاتون (میری حقیقی نانی) سے فرمایا جو حضرتؒ کی پہلی بیوی کی رشتہ دار بھی ہوتی ہیں جو الحمد للہ تا حال موجود ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تا دیر عافیت و تندرستی کے ساتھ ہمارے سروں پر محفوظ رکھے، آمین۔ حضرت کی یہ اہلیہ بھی بڑی نیک صالح اور اپنے شوہر کی فرماں بردار خاتون رہی ہیں اور ان کے بطن سے پانچ اولاد ہوئیں (جن میں سے چار لڑکے اور ایک لڑکی (میری والدہ ماجدہ) اور یہ تمام بقیدِ حیات ہیں)۔ (حضرتؒ کی دوسری بیوی یعنی میری نانی کی خصوصیت جو میں نے خود اپنی آنکھوں

سے دیکھی بچپن سے لے کر بیس سال کی عمر تک (یعنی نانا جانؒ کے انتقال تک) میں نے دیکھا نانی جان نے نانا جانؒ کی خدمت رات ہو یا دن، بیماری ہو یا صحت، ہر حالت میں بڑے اخلاص کے ساتھ کی جس کو دیکھ کر میرے نانا جانؒ ہمیشہ مجھے میری نانی کے سامنے یہ فرماتے تھے کہ بیٹا تیری نانی تو دنیا سے ہی جنّتی ہے اس لئے کہ پوری زندگی میری بہت ہی خدمت کی ہے (اللہ قبول فرمائیں) اور نانا جانؒ کی زندگی میں بھی نانا جانؒ کی بہت ہی فرمانبردار اور نیک وصالح رہیں اور نانا جانؒ کے انتقال کے بعد سے ابھی تک بھی نانا جانؒ کی باتوں پر الحمدللہ بہت ہی اچھے طریقوں سے عمل پیرا ہیں، خصوصاً تہجد کے سلسلے میں کہ نانا جانؒ نے جب سے وصیت کی کہ جس طرح تم میری زندگی میں بڑے اہتمام سے تہجد پڑھ رہی ہو اسی طریقے سے میرے انتقال کے بعد بھی تہجد پڑھتی رہنا اس لئے کہ میرے نانا جانؒ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ صلوٰۃ تہجد یہ قبر کی بتی (لائٹ) ہے تو میری نانی جان نے الحمدللہ اس بات پر ایسا عمل کیا جو ابھی تک جاری ہے۔ اللّٰھم زد فزد)

حضرت والاؒ کی اولاد

حضرت کے پانچ صاحبزادے ہیں جو باحیات ہیں (۱) جناب یعقوب صاحب (۲) جناب مولانا ہاشم صاحب (۳) جناب ابراہیم صاحب (۴) جناب حافظ احمد صاحب (۵) جناب حافظ داؤد صاحب۔ ان مذکورہ پانچ صاحبزادوں میں سے دوسرے نمبر کے صاحبزادے یعنی جناب مولانا ہاشم صاحب یہ جامعہ حسینیہ راندیر میں کئی سالوں سے درجۂ حفظ کے استاذ ہیں اور امامت کا فریضہ بھی انجام دے رہے ہیں۔ اور ان مذکورہ پانچوں صاحبزادوں میں سے پانچویں نمبر یعنی جناب حافظ داؤد صاحب کو جامعہ میں حضرتؒ کے انتقال کے بعد بحیثیت ٹرسٹی کے لے لیا گیا جو تا حال جامعہ میں اس کام کو انجام دے رہے ہیں اور باقی صاحبزادے اپنے اپنے مشغلوں میں مصروف ہیں۔

حضرت کی دو صاحبزادیاں ہیں (۱) حواء بیگم (۲) رقیہ بیگم، ان میں سے پہلی صاحبزادی حواء بیگم کا انتقال تو حضرتؒ کی زندگی میں ہی دردِزہ کی وجہ سے ہوگیا، مرحومہ بہت ہی نیک وصالح اور پاک دامن اور اپنے والد محترم کی چہیتی بیٹی تھیں، اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں آمین۔

☆ اور حضرتؒ کی دوسری اور سب سے چھوٹی صاحبزادی رقیہ بیگم یہ ابھی تک الحمد للہ حیات ہیں اللہ تعالیٰ تندرستی عافیت و اطمینان کے ساتھ عمر دراز فرمائیں اور تمام مشکلات و تکالیف سے اور خصوصاً نظرِ بد سے بچائیں اور خدا کی رضامندی والی زندگی نصیب فرمائیں (اور یہ مجھ حقیر کی والدہ ماجدہ ہیں اور حضرت مولانا مفتی یعقوب اشرف صاحب راندیری جو خلیفۂ خاص حضرت ہردوئیؒ و مہتمم مدرسہ دار العلوم اشرفیہ راندیر وشیخ الحدیث مدرسہ جامعہ اسلامیہ صوفی باغ سورت گجرات سے منسوب ہیں) اور میری والدہ بھی حضرت کی بہت ہی چہیتی بیٹی اور اپنے والد ماجدؒ کے نقشِ قدم پر اور اپنے والد کی لختِ جگر و منظورِ نظر تھیں اور حضرتؒ ہمیشہ میری والدہ سے بہت ہی محبت کرتے تھے اور اکثر اپنی دلی باتوں کا اظہار میری والدہ کے سامنے فرمایا کرتے تھے اور اگر ایک دو دن کے بعد حضرتؒ کی ملاقات کو میری والدہ نہ جاتیں تو محبت میں خفا ہو جاتے اور فرماتے کہ بیٹی کیوں ابھی سے مجھے بھول گئی۔

اللہ تعالیٰ تمام کو اپنے والد محترم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

حضرت والاؒ کے اسفارِ حج وعمرہ

حق جل مجدہٗ نے حضرت والا نانا جانؒ کو کئی مرتبہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف فرمایا اور چونکہ حضرت والاؒ کو بچپن سے ہی زیارت حرمین شریفین کا داعیۂ شدیدہ اور شوق غالب تھا لیکن ابتدا میں اسباب سفر حالات کی تنگی کی وجہ سے حج نہ کرسکے چنانچہ ایک

مرتبہ تو حضرت نانا جانؒ کو شوقِ حج نے اس طرح تڑپایا اور گرمایا اور دل میں بار بار یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اب تو حج کے لئے مجھے جانا ہی جانا ہے اور کچھ قدرتی طور پر اللہ تعالیٰ کو بلانا منظور ہوگا تو بالآخر حضرت نانا جانؒ نے حج کا ارادہ بصدقِ دل کر ہی لیا، پھر حضرت نانا جانؒ نے میری نانی جان صاحبہ مدّ ظلھا سے ارادہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تو تیرے پیروں کے سونے کے دونوں کنگن مجھے ابھی دے دے جب اللہ تعالیٰ مجھے مال دیں گے تو واپس میں تجھے دلوا دوں گا اس لئے کہ میں ان دونوں کنگنوں کو فروخت کر کے حج کے لئے جانا چاہتا ہوں، تو میری نانی جان فرماتی ہیں کہ میں نے میرے دونوں سونے کے کنگن فوراً نکال کر خوشی کے ساتھ دے دیئے اور میں نے کہا کہ مجھے بعد میں دلوانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ یہ دونوں کنگن بھی آپ ہی کے تو ہیں اور آپ ہی کا تو مال ہے آپ اس کو بیچ کر حج میں خوشی کے ساتھ جایئے، تو حضرت نانا جانؒ نے یہ دونوں سونے کے کنگن کو اس وقت صرف اور صرف ۱۰۰۰ر روپئے میں فروخت کیا اور پہلے حج کے لئے ان پیسوں سے ٹکٹ خرید کر بحری جہاز سے روانہ ہوئے، تو گویا آپ نے اس طریقے سے پہلا حج ادا فرمایا۔ پھر جب آنے کے بعد حساب لگایا تو حضرت نانا جانؒ فرماتے تھے کہ ان ۱۰۰۰ر روپیوں میں سے بھی کچھ روپئے بچے تھے، نہ معلوم اس وقت پیسوں میں اللہ تعالیٰ نے کیا برکت رکھی تھی اب وہ زمانہ یاد آتا ہے۔ جب میرے نانا جانؒ نے پہلا حج کیا تو اس وقت میرے نانا جانؒ ان کی اہلیہ (میری نانی جان) کی نانی سے ملنے گئے (جن کو تمام لوگ حاجی ماں کہتے تھے اور اسی نام سے پکارتے تھے اور یہ مرحومہ حاجی ماں بہت ہی نیک صالح اور پارسا خاتون تھیں اور یہ ان عورتوں میں سے تھیں جن کو کثرت سے حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوا کرتی تھی اور عاشقِ رسول ﷺ تھیں، انتقال کے وقت یہی حاجی ماں نے اپنے بچوں سے فرمایا کہ بیٹا دوپٹہ برابر کر کے جلدی سے اوڑھاؤ اور درود شریف پڑھو

اس لئے کہ آپ ﷺ مجھے لینے کے لئے آئے ہیں، پھر ان کی روح یہ کہہ کر پڑھتے ہوئے قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور پاکستان میں ان کا انتقال ہوا۔ مرحومہ حاجی ماں ایسی نیک خاتون تھیں اور یہ میری نانی کی نانی ہوتی ہیں) تو حضرت نانا جانؒ نے ان کو کہا کہ حاجی ماں میں حج کے لئے جا رہا ہوں آپ میرے لئے دعا کرنا، تو اس وقت حاجی ماں نے فرمایا کہ بیٹا آپ کو تو اللہ تعالیٰ بار بار حج وعمرہ کروائیں گے اور بار بار اپنے گھر بلائیں گے، تو حضرت نانا جانؒ نے حاجی ماں سے کہا کہ امّاں! ایک مرتبہ جانے کے لئے تو میرا یہ حال ہو رہا ہے کہ میں سونا بیچ کر جا رہا ہوں تو بار بار کیسے جاؤں گا؟ تو پھر حاجی ماں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ نہیں نہیں بیٹا آپ کو تو اللہ تعالیٰ بار بار لے جائیں گے۔ چنانچہ پھر ہوا بھی ایسا ہی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بار بار حج وعمرہ کی سعادت سے مالا مال فرمایا۔ تو حضرت نانا جانؒ نے کئی بار مجھے (راقم الحروف کو) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حاجی ماں کی دعا کو میرے حق میں قبول کر لیا تھا اس لئے کہ ہماری حاجی ماں بہت ہی نیک اور پارسا خاتون تھیں۔ پھر ایک مرتبہ احقر نے نانا جانؒ سے پوچھا کہ آپ نے اپنی زندگی میں کتنے حج اور عمرہ کئے تو مسکرا کر فرمایا کہ بیٹا! اس کو پوچھ کر کیا فائدہ ہوگا؟ اس کے باوجود میں نے دوبارہ بہت ہی اصرار کے ساتھ پوچھا کہ آپ کو بتانا ہی پڑے گا کہ آپ نے کتنے حج وعمرہ کئے ہیں تو پھر فرمایا کہ بیٹا احمد! اللہ تعالیٰ نے مجھے کئی بار الحمد للہ، حج وعمرہ کی سعادت سے سرفراز فرمایا لیکن میں نے کبھی اس کو شمار نہیں کیا اور شمار کرنے سے فائدہ بھی کیا؟ بس جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاضری کی دعوت آجاتی ہے تو لبیک کہہ کر اس کے دربار میں حاضر ہو جاتا ہوں اور موقع کو غنیمت سمجھ کر فائدہ اٹھالیتا ہوں کہ نہ معلوم دوبارہ کب یہاں کی حاضری نصیب ہوگی، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ جلد سے جلد یہاں کی حاضری کی توفیق نصیب کر دیتا ہے، یہ اس کا مجھ گنہگار پہ بہت ہی بڑا انعام اور احسان ہے۔ حضرت نانا جانؒ کی آخری زندگی میں تو

خصوصاً بارہا یہ دیکھا گیا کہ ایک یا دو سال کا وقفہ نہ گزرتا کہ حضرت نانا جانؒ عمرہ کے لئے
تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت نانا جانؒ کو دیکھا گیا کہ اکثر آپ ماہِ رمضان المبارک
میں عمرہ کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے تھے کہ ماہ رمضان
میں ہر عمل کا ثواب بھی دوگنا ملتا ہے اور حرمین شریفین کی زیارت کا لطف رمضان میں کچھ اور
ہی ہوتا ہے۔ اور عمرہ میں اکثر حضرت نانا جانؒ مکۃ المکرمۃ سے ڈبل (دوگنا) مدینۃ المنورہ
میں قیام فرماتے تھے اور فرماتے کہ ہمارے اکثر بزرگانِ دین کا بھی یہی دستور العمل رہا
ہے۔ اور آخری زندگی میں پھر ۲۰۰۴ء یا ۲۰۰۵ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے اور یہ
حضرت نانا جانؒ کی زندگی کا آخری حج تھا۔ پھر اس کے بعد انتقال سے تقریباً ایک سال یا
کچھ مہینہ پہلے بھی واپس عمرہ فرمایا اور یہ عمرہ حضرت نانا جانؒ کی زندگی کا آخری عمرہ تھا پھر
اس کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ لیکن احقر کی یہ ایک خوش نصیبی ہے کہ احقر ہندوستان کے
اسفار کے موقع پر بطور خدمت اکثر حضرت نانا جانؒ کے ساتھ جایا کرتا تھا اور مجھے حضرت
نانا جانؒ بھی بہت ہی خوشی سے اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ لیکن جب میں حفظ ختم
کرنے والا تھا اس وقت مجھ سے حضرت نانا جانؒ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ تیرے حفظ مکمل
ہونے کے بعد میں تجھے اپنی طرف سے بطور حافظ ہونے کی خوشی میں رمضان المبارک کے
عمرہ کے لئے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ پھر جب میں نے حفظ مکمل کر لیا تو اسی سال حضرت
نانا جانؒ مجھے اپنے ساتھ رمضان میں عمرہ کے لئے لے گئے اور میں نے اپنی زندگی میں پہلی
بار حرمین شریفین کی زیارت بقصد عمرہ حضرت نانا جانؒ کے ساتھ ادا کی۔ اور حضرت نانا جانؒ
کی صحبت میں عمرہ کا لطف ہی کچھ اور تھا، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عمرہ کے سفر کے ساتھ
ساتھ بیرون ملک میں بھی حضرت نانا جانؒ کے ساتھ رہنے کا اور خدمت کا موقع عنایت
فرمایا۔ اب آخر میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت نانا جانؒ کے تمام حج وعمرہ اور

عبادات خالصہ کو قبول فرما کر اپنی شانِ عالی کے مطابق بدلہ آخرت میں نصیب فرمائے اور ہم کو بھی پروردگار عالم حضرت نانا جانؒ کی طرح وہاں کا ادب، احترام اور محبت حقیقی نصیب فرما کر حضرت نانا جانؒ کی طرح حرمین شریفین کی بار بار حاضری نصیب فرمائے اور غیب سے اس کے اسباب فرمائے...... (آمین)

حضرت والاؒ کے دیگر اسفار

حضرت والاؒ نے بیشمار دینی وتبلیغی اسفار فرمائے ہیں اور دینی وملّی وسماجی خدمات کو انجام دیا، خلقِ خدا کو نفع پہنچایا ہے۔ اور حضرت والاؒ شروع میں تو سورت اور اطرافِ سورت جیسے بھروچ، جمبوسر، کٹھور، کھولوڑ، انکلیشور، عالی پور، دیگام، بودھان، بھادی، کھڑود، پانولی، دیوا، ڈابھیل وغیرہ اور بھی کئی گاؤں اور دیہاتوں کے دورے فرماتے رہے، کسی جگہ نکاح کی مجلس کے لئے کسی جگہ جلسہ کی صدارت کے لئے تو کسی جگہ اسپتال و اسکول کی افتتاح کے لئے تو کسی جگہ مساجد و مدارس کی سنگ بنیاد کے لئے، کسی جگہ خصوصاً دعا کے سلسلہ میں، کسی جگہ علماء کے درمیان میٹنگ کے سلسلے میں تو کسی جگہ اس مدرسہ کے سرپرست اور روح رواں ہونے کی حیثیت سے تو کسی جگہ شوریٰ کے ممبر ہونے کی حیثیت سے۔ غرض کہ قوم وملت کی کسی بھی خدمت کے لئے حضرت والاؒ ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں اور آپ کا وجود مسعود اور آپ کی تشریف آوری ان کے لئے باعث فخر رہی۔ اور پھر حضرت والاؒ کا یہ تبلیغی فیض کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے روز بروز اتنا عام کر دیا اور اتنا پھیلا دیا کہ پھر تو حضرت والاؒ احمد آباد، اورنگ آباد، کوکن، پونہ، کلکتہ، مہاراشٹر، دہلی، دیوبند، سہارنپور، مظفر نگر، کوٹہ وغیرہ اور جگہ کے بھی سفر فرمائے اور قوم وملت کی ہر طرح کی جہاں جہاں جیسی جیسی ضرورت تھی اس اعتبار سے وہاں آپ نے خدمت فرمائی اور بوجہ علمِ دین اور اپنے خاص احباب و چاہنے والے اور جامعہ حسینیہ کے خیر خواہوں کی دعوت پر لبیک کہہ کر آپ (حضرت

والاؒ) نے پاکستان، ساؤتھ افریقہ، انگلینڈ، کینیڈا، موریشیش، ری یونین، فرانس، پیرس، سعودی عربیہ، دبئی، تھائی لینڈ، سنگاپور، ملاوی، زامبیا، لوساکا، بوسوانا، ڈہران، بحرین وغیرہ بیرون ممالک میں آپ کئی بار تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے فیض کو عام اور تام فرمایا۔ اور حضرت والاؒ کے بعض چاہنے والوں نے (راقم الحروف سے) بتلایا کہ حضرت والاؒ ہمارے یہاں بیرون ممالک میں جب تشریف لاتے تھے تو اس کی ایک اور خوشی ہوتی تھی اور ہم یہ محسوس کرتے تھے کہ ہمارا کوئی بڑا رہنما ہمارے درمیان موجود ہے اور حضرت والاؒ کے آنے کی وجہ سے گویا کچھ دن کے لئے ایک رونق ہو جاتی تھی۔ اور لوگ وعظ کرواتے تھے، کسی معاملے میں مشورہ کرنا ہوتا تو مشورہ کرتے تھے، کسی جگہ دعا کروانی ہوتی تو دعا کرواتے تھے، تعویذ لیتے تھے (راقم الحروف نے خود دیکھا بھی ہے اور لوگوں سے سنا بھی ہے کہ حضرت والاؒ کا تعویذ بہت مؤثر ہوا کرتا تھا اور عوام وخواص ہر جگہ بہت ہی مشہور تھا) خصوصاً حضرت والاؒ سے نکاح پڑھواتے تھے وغیرہ۔ اس طرح سے خلقِ خدا کو خوب نفع پہنچتا تھا اور اتنے لوگوں کو ملک اور بیرون ملک میں ہر طرح سے فائدہ کا پہنچنا یہ صرف اور صرف انعامِ خداوندی اور رضائے الٰہی کی اور آپ کی مقبولیت کی علامت ہے اور گویا حضرت والاؒ اس مصرعہ کے صحیح مصداق تھے: السفر وسیلة الظفر فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت والاؒ کی تمام خدمات کو قبول فرمائیں اور اجرِ عظیم عطا فرمائیں (آمین)

حضرت والاؒ کے بیانات

اگرچہ حضرت نانا جانؒ کو بیان کرنے کی زیادہ عادت نہیں تھی لیکن پھر بھی عوام اور خواص آپ کے وعظ اور نصائح سننے کے متمنی رہتے تھے اور اپنے خصوصی اور عمومی پروگرام میں حصولِ برکت ودعا کے لئے آپ کو ہمیشہ لے جاتے تھے۔ موقع سے کبھی کبھار اگر کوئی

کہنا تو آپ سادہ الفاظ میں صاف صاف باتیں بیان فرما دیتے تھے کہ جس کو عوام بڑی خوشی کے ساتھ سنتے تھے۔ لیکن حضرت والاؒ اخیری زندگی میں جب حضرت اقدس ہردوئیؒ سے بیعت ہوئے تو نہ معلوم اپنے شیخ حضرت والا ہردوئیؒ کی کیا توجہِ خاص ہوئی کہ بیعت کے بعد حضرت والا نانا جانؒ وعظ بہت ہی زیادہ کہنے لگے اور ایک ہفتہ چھوڑ کر دوسرے ہفتہ کو جمعہ کے دن حضرت والاؒ کا وعظ پیر عمر قاری تائی واڑا مسجد (جو حضرت والاؒ کی امامت و خطابت کی قدیم جگہ تھی بحیثیت برسوں امام وخطیب ہونے کے) میں ہونے لگا اور وعظ کے اندر نہی عن المنکر کو بہت ہی زیادہ اہتمام سے بیان فرمانے لگے تو مجھے کئی آدمیوں نے کہا کہ نہ معلوم نانا جانؒ کو کیا ہوگیا ہے برابر وعظ کے اندر منکرات کے سلسلے میں لوگوں کی خبر لیتے ہیں اور کسی کو چھوڑتے نہیں ہیں، جو بات حق ہوتی ہے وہ بلا دریغ صاف صاف بول دیتے ہیں۔ تو گویا یہ نانا جانؒ پر حضرت ہردوئیؒ کی خاص توجہ ہوگئی تھی جس کا یہ اثر تھا کہ (۱) ایک تو یہ کہ بیان کا سلسلہ پہلے کے مقابلہ میں بیعت کے بعد بڑھا دیا (۲) اور ساتھ اپنے شیخ حضرت والا ہردوئیؒ کی خصوصی صفت ہی منکرات کی اصلاح اس پر خصوصاً بولنا شروع کردیا اور ایسا بولے کہ لوگ حیران ہوگئے۔ یہ دونوں چیزیں جو اوپر مذکور ہوئیں وہ حضرت والا ہردوئیؒ کی توجہ خاص اور حضرت کے سلسلے کی خاص برکت تھی کہ جو کوئی بھی حضرت والا ہردوئیؒ سے بیعت ہوتا وہ ان دونوں چیزوں سے بیعت کے بعد ضرور متصف ہوجاتا تھا۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اور حضرت والاؒ نے اپنی زندگی کا بالکل آخری بیان سیلاب عظیم آنے سے کچھ دن قبل یومِ جمعہ کو مستورات کے ایک تبلیغی اجتماع سے فرمایا جو تمام خواتین کے لئے بہت ہی

مؤثر اور مفید رہا جس کا اظہار تمام خواتین نے کیا۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ حضرت والا نانا جانؒ کا یہ آخری بیان ہے اور اس کے بعد حضرت والاؒ ہم سے بہت جلد جدا ہو جائیں گے اور افسوس کہ ہمارے کان حضرت والاؒ کے ایسے مؤثر اور فائدہ مند خطاب اور نصائح سننے سے محروم ہو جائیں گے۔

یاد میری سنبھال کر رکھنا میرا کیا میں رہا نہ رہا

نکاح پڑھانے کا عجیب نرالہ انداز

حضرت کو اللہ تعالیٰ نے عجیب بہترین اور بلند آواز اور اچھا لہجہ عطا فرمایا تھا۔ راندیر کے اکثر اطراف و جوانب میں بھی آپ کے طرزِ نکاح کو لوگ پسند کرتے، سننے والے دور سے آواز سن کر معلوم کر لیتے کہ حضرت نکاح پڑھا رہے ہیں۔ بزرگی اور اچھی آواز اس لئے عوام تو عوام بہت سے خواص بھی خواہش کرتے کہ حضرت نکاح پڑھائیں۔ قریباً نکاح کی دعوت کو دن ہو یا رات بخوشی قبول فرما لیتے۔

مدارس و مکاتب کا قیام اور اس کی فکر

گلشن کی فضا صدیوں مجھے یاد کرے گی
کلیوں کو میں خونِ جگر دے کے چلا ہوں

سب سے پہلے اپنے خاندانی بزرگوں کی یادگار یعنی مدرسہ جامعہ حسینیہ راندیر کی طرف آپ ہر پہلو، ہر موڑ اور ہر ضرورت کے موقع پر خواہ وہ ضرورت تعلیمی اعتبار سے ہو یا تعمیری اعتبار سے ہو یا مالی اعتبار سے یا اور کوئی ضرورت ہو حضرت والاؒ کی جامعہ حسینیہ راندیر کی طرف سب سے پہلے اور خصوصی توجہ رہتی تھی۔ ہمیشہ پہلے وھلے میں جامعہ حسینیہ راندیر ہی کو اپنی تمام خدمات کے لئے یاد بھی فرماتے اور اپنے مادرِ علمی اور خاندانی بزرگوں کی اس

عظیم یادگار کی خصوصاً تعلیمی وتعمیری ترقی اوراس کے استحکام کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے اور پھر دوسرے مدارس ومکاتب کے لئے فکرمند اور کوشاں رہتے تھے۔اس لئے کہ یہی جامعہ حسینیہ راندیر حضرت والاؒ کا مادرعلمی اوراپنے خاندانی بزرگوں کا سپرد کیا ہوا وہ پلیٹ فارم ہے جہاں سے حضرت والاؒ کو دین اور قوم وملت کی خدمت کا حسین موقع اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، لہٰذا حضرت والاؒ اس کو کیسے فراموش کر سکتے تھے۔اوراس لئے بھی کہ حضرت والاؒ کی جامعہ حسینیہ راندیر سے کامل وابستگی پڑھنے کے دور کے علاوہ تقریباً ۱۹۴۵ء سے لے کر ۲۰۰۶ء یعنی انتقال تک تقریباً ۶۱ رسال جیسی دراز مدت تک رہی ہے جس کو آپ نے بحیثیت عظیم باپ کے بیٹے ہونے کے کامیاب طور پراس عظیم ذمہ داری کو سنبھالا ہے۔اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کی ذات اقدس میں اپنے خاندانی اسلاف اوراکابر کی ان خوبیوں اور صفات کو کامل طور پر بھر دیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا آپ نے اپنے خاندانی بزرگوں کی ان خوبیوں کے ذریعہ سے عوام وخواص تمام کو خصوصی طور پر فیضیاب کر دیا اورآپ نے جامعہ حسینیہ راندیر کی خدمت دل وجان سے کی اور محنت شاقہ برداشت کرتے ہوئے اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلے،جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے دور میں ہر اعتبار سے جامعہ حسینیہ راندیر کو دن دونی رات چوگنی ترقیات سے نوازا جو آج عوام وخواص تمام کی نظروں کے سامنے ہے۔باوجود ان تمام خدمات اور محنت کے مذکورہ شعر حضرت نانا جانؒ کی دکھ بھری داستان کی صحیح ترجمانی کرر ہا ہے:

مانا کہ اس گلشن کو نہ گلزار کر سکے ہم
کچھ خار کم تو کر گئے گزرے جہاں سے ہم

کہ اس کے باوجود پھر بھی حضرت نانا جانؒ پر بہت سے حالات آئے، چھوٹے ہوں یا بڑے، ہر کس وناکس نے یہ کوشش کی اور ہر طرح سے آپ کو پھر اس راہ میں بھی

پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا، لیکن بزرگوں کا قول ہے بڑا بڑا ہی ہوتا ہے چاہے چھوٹے اس کو چھوٹا بنانے کی ہزار کوشش کریں وہ سب بیکار، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی اس کو ہمارے لئے بڑا اور مربی بنایا ہوا ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ ان تمام حالات کے باوجود حضرت نانا جانؒ گویا صبر وتحمل، ضبط واستقامت کے وہ عظیم کوہ گراں تھے کہ کسی کی بات کی پرواہ کیے بغیر بس اپنے ہی کام اور فکر ودھن میں لگے رہتے تھے اور ان بے بنیاد باتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے تھے۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں آپ کو روز بروز ترقیوں سے نوازا اور مقبولیتِ عامہ وخاصہ نصیب فرمادی اور آپ کی شخصیت تمام کی نورِ نظر بن گئی۔ اور گویا حضرت نانا جانؒ بزبان حال یہ شعر فرمارہے تھے کہ:

بادِ تُندِ مخالفت سے نہ گھبراؤ شاھیں
یہ تو چلتی ہے ہمیں اونچا اُڑانے کے لئے

اس سلسلہ کا دوسرا شعر ملاحظہ ہو:

مخالفت سے میری شخصیت نکھرتی ہے
میں مخالفوں کا بڑا احترام کرتا ہوں

حضرت نانا جانؒ کا دور تعلیمی اور تعمیری ہر اعتبار سے ایک یادگار دور ہے۔ احمد آباد (سرخیز) جیسے عظیم شہر میں جامعہ حسینیہ کی شاخ بدست حضرت نانا جانؒ کے وجود میں آئی جو آپ کی انتھک کوششوں اور محنتوں، اخلاص اور حصول رضاءِ الٰہی کی وہ عملی دلیل ہے جو آج ہمارے سامنے ہے اور حضرت نانا جانؒ کی عملی سعی کی دستاویز ہے۔ اور حضرت والا نانا جانؒ کی محنتوں سے جامعہ حسینیہ راندیر کی صرف تعمیری ہی نہیں بلکہ تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ جامعہ اسلامیہ سرخیز (احمد آباد) بھی تعمیر کے ساتھ تعلیمی ترقی کے مشن کا ایک بہت بڑا نمونہ ہے جو ہماری کوتاہ اور ناقص نظر کیا جانیں کہ حضرت والاؒ کی نگاہ دوررس اور فہم سلیم نے کیا سے

کیا تعلیمی اور تعمیری اور ہر قسم کی ترقی کو اجاگر کر کے رکھ دیا جو آج ہماری کوتاہ عقل سے باہر ہے۔ یہی وجہ ایک مسلم تھی کہ گجرات اور بیرون گجرات کے کئی مدارس کے آپ ممبر رکن شوریٰ اور سرپرست اور مہتمم اور بڑے مشفق اور مربی تسلیم کئے جاتے تھے۔ اور حضرت نانا جانؒ کو ایک لگن یہ بھی تھی کہ ہر شہر ہر گاؤں اور ہر محلہ میں دینی تعلیم کا مدرسہ یا مکتب قائم ہو اور ہر جگہ قرآن مجید کو پڑھایا جائے اور دین کی بنیادی تعلیم بچوں کو ان کے بچپن ہی سے دی جائے۔ جس کے پیشِ نظر آپ نے جامعہ حسینیہ راندیر کے ماتحت بہت سے دینی مدارس و مکاتب کو قائم کیا اور پھر حضرت نانا جانؒ کی محنت شاقہ نے اس کو وہ فروغ دیا کہ جو آج کثیر تعداد میں ہندوستان کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ میں موجود ہے جو نانا جانؒ کی محنتوں اور کوششوں کا نتیجہ اور حضرت نانا جانؒ کے لئے توشۂ آخرت ہے۔ جن کے سرپرست بھی حضرت نانا جانؒ ہی تھے، خود تشریف لے جاتے تھے اور معائنہ بھی فرماتے تھے۔ اور بھی جہاں کہیں مدارس و مکاتب کے قیام کی ضرورت ہوتی تو اس کو پوری فرمانے کی کوشش میں ضرور لگے رہتے تھے اور ہمیشہ فکرمند رہتے تھے کہ مدارس و مکاتب کی ضرورتوں کو کس طرح پورا کیا جائے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت نانا جانؒ سے حضرت حق جل مجدہٗ نے مدارس اسلامیہ (طلبہ و طالبات)، مکاتب قرآنیہ اور مساجد کی تعمیر، قومی و سماجی خدمات وغیرہ ہر طرح سے کامیاب طور پر غیر معمولی خدمات لے کر ایک نمایاں خدمت کا وسیع موقع فراہم فرمایا تھا جو ہم تمام کے لئے ایک سبق اور نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کو ہمیں خوب خوب سمجھنا چاہئے۔ اور مذکورہ یہ تمام باتیں حضرت نانا جانؒ کی زرّیں خدمات عالیہ کا ایک سنہرا باب ہے۔

کروٹ بدل کر رہ گیا تاریخ کا ورق
زرّین باب کا ہوا ہائے افسوس اختتام

اور اللہ تعالیٰ آپ کے یہ تمام صدقۂ جاریہ قبول فرمائے اور آخرت میں آپ کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے اور ہم کو حق سمجھنے کی اور قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حضرت والاؒ کی مخلص کوششوں کا یادگار محل

حضرت نانا جانؒ نے اپنے بزرگانِ دین کی سپرد کی ہوئی ایک عظیم ذمہ داری یعنی جامعہ حسینیہ راندیر کے دورِ اہتمام کے زمانے میں اوّل تو آپ نے اپنی تمام تر کوششیں اور محنتیں جامعہ حسینیہ راندیر کے پیچھے مکمل طریقے سے صرف کرنے کے بعد ثانیاً آپ کی دور رس نگاہ احمد آباد جیسے قدیم علم وعمل کا گہوارہ رہ چکے شہر پر پڑی جہاں آپ نے جامعہ حسینیہ کی شاخ کے طور پر ایک دار العلوم یعنی جامعہ اسلامیہ سرخیز (احمد آباد) کا آغاز فرمایا اور جامعہ حسینیہ راندیر کی پوری تاریخ میں پہلی دفعہ ایسا واقعہ ہوا کہ حضرت نانا جانؒ کی مخلص محنتوں اور کاوشوں سے جامعہ حسینیہ راندیر کی شاخ ایک اتنے بڑے شہر میں بڑے دار العلوم کی شکل میں (بطور شاخ) قائم ہوئی۔ اور پھر ایک مرتبہ گویا حضرت نانا جانؒ کے دورِ اہتمام میں اس مدرسہ (دار العلوم) کے قیام سے جامعہ کی تعلیمی اور تعمیری ترقی کو چار چاند لگ گئے اور اس جامعہ اسلامیہ سرخیز (احمد آباد) پر بھی حضرت نانا جانؒ کی مخلصانہ توجہ بحیثیت بانی وسرپرست ہونے کے خاص طور سے رہی اور اس کے ناظم اوّل حضرت مفتی امتیاز صاحبؒ نے بھی رات دن خوب محنت کر کے اس کو گلشن بنایا اور الحمد للہ مذکورہ دونوں حضرات کی محنتوں سے اس جامعہ نے یعنی جامعہ اسلامیہ سرخیز (احمد آباد) کے ماتحت بھی وہاں اطراف میں اچھے خاصے مکاتب کا سلسلہ بھی قائم ہوا۔ خلاصہ یہ کہ حضرت نانا جانؒ کے دورِ اہتمام سے پہلے بھی جامعہ حسینیہ راندیر کے ماتحت مکاتب کا سلسلہ تو تھا لیکن آپ کے دورِ اہتمام میں آپ نے خصوصاً اس کو بھی خوب فروغ دیا اور ساتھ ساتھ قائم کردہ ایک تو بڑی شاخ جامعہ اسلامیہ سرخیز (احمد آباد) اور پھر اس شاخ کے ماتحت بھی اور کئی مکاتب کا سلسلہ جاری فرمایا

اور فی الحال جاری ہے۔ الغرض حضرت نانا جانؒ کے دورِ اہتمام میں بھی جامعہ حسینیہ راندیر نے خاص طور پر تعلیمی و تعمیری میدان میں خوب ترقی کی اور اس کے علاوہ بھی ہر اعتبار سے آپ کا دور خوب جاندار، شاندار اور کامیاب رہا۔ جامعہ حسینیہ کو بام عروج پر پہنچانے میں آپ کی کاوشوں کا بڑا دخل ہے، آپ کے دورِ اہتمام کو ہر کوئی سراہتا ہے یہ آپ کی ذہانت اور انتظامی صلاحیتوں کا بیّن ثبوت ہے۔

حضرت والاؒ کی مخلص محنتوں کا نتیجہ

آپ کے جامعہ حسینیہ (راندیر) کے پڑھنے کے علاوہ بغرض خدمت ۱۹۴۵ء سے ۲۰۰۶ء انتقال تک مجموعی طور پر ۶۱ سال ہیں جس میں سے تقریباً ۹ یا ۱۰ سال تدریسی اور اس کے علاوہ دوسرے ۵۲ سال جس میں سے الحمد للہ ۳۰ سال آپ کے دورِ اہتمام کے ہیں اور ۲۲ سال ۱۹۵۴ء سے ۱۹۷۶ء تک یہ سال آپ کے بحیثیت ناظم ہونے کے ہیں۔ ان میں سے اوپر ذکر شدہ جتنے تدریسی سال ہیں اس میں الحمد للہ طلبۂ عزیز نے آپ سے علمی فیض بھی اٹھایا اور بحیثیت شاگرد ہونے کے آپؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد آپ کے دورِ اہتمام میں بھی بفضل اللہ کئی ہزار کی تعداد میں طلبۂ عزیز اور مہمانانِ رسول ﷺ نے جامعہ حسینیہ راندیر سے فراغت و فاضلیت کی سندیں حاصل کیں اور آپ کے کئی شاگرد اور آپ کے دورِ اہتمام میں فارغ شدہ طلبۂ عزیز نے علمی، ملّی، سماجی، دینی کارنامے انجام دیئے اور دے رہے ہیں۔ اور ان میں سے بعض تو حضرت نانا جانؒ کی زندگی ہی میں حدیث و تفسیر کے استاذ اور بعض تو شیخ الحدیث ہو چکے تھے جن کو دیکھ کر آپ بہت خوش ہوتے تھے اور خوب دعائیں دیتے تھے۔ گویا یہ آپ کی ۶۱ سالہ ہر طرح سے کی ہوئی محنتوں کا خالص نتیجہ وثمرہ ہے اور جس کا پھل ہمیں خصوصاً ابھی بھی نظر آ رہا ہے اور آتا رہے گا۔ اور ہمیشہ معلوم نہیں ایسا ہی ہوتا چلا آ رہا ہے کہ جس آدمی نے بھی محنت و مشقت کی

ہوئی ہوتی ہے تو اکثر اس کے انتقال کے بعد ہی اس کا پھل اور ثمرہ کھل کر اظہر من الشمس کی طرح بالکل واضح طور پر نظر آتا ہے تاکہ لوگ دیکھ کر سمجھ سکیں کہ آپؒ کی ذاتِ اقدس کی نگاہِ دور رس نے بعد میں آنے والوں کے لئے کتنی آسانیاں کر کے اس کام کرنے کی راہ کو بالکل ہموار کر دیا کہ ان کو محنت و مشقت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ تو گویا آپ کا دورِ اہتمام جامعہ حسینیہ راندیر اور آپ کی قائم کردہ تمام جامعہ حسینیہ راندیر کی شاخیں خواہ وہ مکتب کی شکل میں ہوں یا مدرسہ کی شکل میں ہوں ان کو آپ نے اپنے والد اور خصوصاً حسینی اکابر علماء کے بالکل نقشِ قدم پر رہ کر کامیاب طریقے سے انجام دیا اور آپ نے اپنے ان بزرگانِ دین کے عکس جمیل کو پھر ایک بار قوم و ملت اور امت کے سامنے خوب اصح طریقے سے واضح کر دیا اور اپنے حسینی بزرگانِ دین کے زمانے کی یاد کو پھر دوبارہ ایک مرتبہ تازہ کر دیا۔

حضرت والاؒ کا طلبہ کے ساتھ عجیب محبت وشفقت کا معاملہ

حضرت نانا جانؒ کا طلبۂ کرام سے بے حد محبت کا تعلق تھا اور ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے طلبہ کرام کو ہمیشہ عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا اور پیار و محبت کے ساتھ ان سے اپنی اولاد کی طرح معاملہ کیا ہے۔ ضرورت مند طلبہ کا آپ بے حد خیال فرماتے تھے اور وقتاً فوقتاً ان کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ اور اسی طرح آپ محنتی طلبہ کی بھی بہت ہی قدر فرماتے اور ان کی اکثر انعامات کے ذریعہ سے اور کبھی کلماتِ حسنہ کے ذریعہ سے ہمت افزائی فرماتے تھے اور بالکل غریب و نادار طلبہ کے آنے جانے کے مصارف تک کی ضروریات کا آپ بندوبست فرماتے اور غریب طلبہ کے کپڑے اور جیب خرچ کی بھی آپ ہمیشہ فکر فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ بھائی ان کے ہی نصیب کا رزق آتا ہے اور ان ہی کو پہنچتا ہے ہم تو صرف اسباب کے درجہ میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان طلبہ کے لئے ہمیں واسطہ بنایا ہے اور ان (طلبہ) مہمانانِ رسول علیہ ﷺ کی خدمت کا موقع ہمیں فراہم کیا ہے

ورنہ ہم اتنی بڑی خدمت کے قابل کہاں تھے، یہ تو محض فضل الٰہی اور نعمت خداوندی ہے کہ وہ ہم سے اتنا بڑا اور بڑی ذمہ داری والا کام لے رہا ہے۔ ایک مرتبہ احقر حضرت نانا جانؒ کے ساتھ سفر میں تھا تو اس وقت وہاں حضرت نانا جانؒ کے کچھ شاگرد اور آپ کے دورِ اہتمام میں پڑھے ہوئے کچھ طلبہ موجود تھے، انہوں نے خود مجھے حضرت نانا جانؒ کے سامنے کچھ ایسی ہی بات نکلنے پر سنایا کہ جس وقت ہم پڑھتے تھے اس زمانہ میں دوپہر کے وقت ایک کیلے (banana) بیچنے والا آتا تھا تو ہم مدرسہ کے باہر کھڑے حضرت والاؒ کا انتظار کرتے رہتے اس لئے کہ اس زمانہ میں ہمارے پاس اتنے بھی پیسے نہیں ہوتے تھے کہ کچھ خرید سکیں۔ پھر جب حضرت والا مدرسہ سے باہر تشریف لاتے تو ہم حضرت والاؒ سے کیلے کھانے کے متعلق فرمائش کرتے تھے تو حضرت والاؒ ہمیں خوشی سے فرماتے کہ جاؤ بھائی جاؤ کیلے کھالو اس کیلے فروش کو پیسے میں خود دے دوں گا تو ہم سارے طلبہ کچھ ہی دیر میں اس کیلے والے کی لاری کو صاف کر دیتے تھے اور حضرت والا اس کو اپنی جیب سے پیسے نکال کر دے دیتے تھے۔ کیا ہی حضرت والا کی طلبہ کے ساتھ محبت تھی جواب بہت ہی یاد آتی ہے۔ اسی طرح کا دوسرا ایک واقعہ بھی اُن ہی لوگوں نے مجھے اُسی وقت حضرت نانا جانؒ کے سامنے سنایا کہ مدرسہ جامعہ حسینیہ راندیر میں ایک بیل کا درخت تھا اس پر خوب اچھے بیلے آتے تھے اور گرمی کے موسم میں اس کا شربت بہت ہی مفید ہوتا ہے اس لئے سب طلبہ منتظر رہتے تھے کہ حضرت والاؒ بیل کا شربت پلائیں گے، اس لئے کہ اکثر حضرت والاؒ کا یہ شربت طلبہ کو اپنے ہاتھوں سے بنا کر پلانے کا معمول تھا۔ تو اس زمانہ میں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ حضرت والا تشریف لا کر بیلے کا شربت اپنے ہاتھوں سے بناتے اور آپ یہ شربت اچھا اور بہت شاندار بناتے تھے پھر بچّوں کو بلا کر اپنے ہاتھوں سے شربت نکال کر پلاتے تھے۔ اب وہ شربت ہمیں اپنے مکان پر بھی پینے کے لئے کبھی کبھی ملتا ہے جو ہم کو

اکثر حضرت والاؒ ہر سال پلایا کرتے تھے۔ نہ معلوم کیا محبت وشفقت تھی حضرت والاؒ کی طلبہ کے ساتھ جواب ہم کورہ رہ کر یاد آتی ہے اور ایک ماں باپ جس طرح اپنی اولاد کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں اس طرح سے حضرت والاؒ طلبہ سے بے حد محبت وشفقت کا برتاؤ کرتے تھے اور گویا ماں باپ کی یاد تک طلبہ کو نہ آنے دیتے تھے ایسی خدمت کرتے تھے۔ اتنی ساری خدمات، شفقت ومحبت طلبہ کے ساتھ ہونے کے باوجود پھر بھی ہمیشہ حضرت نانا جانؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو ان طلبہ کے حقوق کی ادائیگی میں ہونے والی کوتاہیوں اور خطاؤں پر بارگاہ ایزدی میں ہمیشہ معافی طلب کرتا رہتا ہوں کہ کچھ کمی نہ رہ گئی ہو۔ غرض کہ یہ ساری باتیں طلبہ کے ساتھ حضرت والا نانا جانؒ کی محبت وشفقت، خدمت ومحنت کا خالص نتیجہ تھا جس کو تمام طلبہ محسوس کرتے تھے اور ہمیشہ یاد کرتے تھے۔

ازھرالھند دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے ممبر اور بھی دیگر مدارس کے سرپرست

الحمدللہ حضرت نانا جانؒ کو ایک لمبے عرصے تک ازھرالہند دارالعلوم دیوبند کی رکن شوریٰ کے ممبر ہونے کا اور خدمت کا شرف حاصل رہا۔ اس خدمت کو آپ نے بحسن وخوبی و خوشی سے انجام دیا اور برابر اخیر تک ہر میٹنگ شوریٰ میں آپ شرکت فرماتے تھے اور اپنی خوش قسمتی اور سعادت سمجھتے رہے۔ اور پھر ایک مرتبہ احقر کے سامنے حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ بھائی میں تو کہاں اتنی بڑی خدمت کا اہل تھا کہ دارالعلوم دیوبند جیسی دنیا کی عظیم دینی درسگاہ کا ممبر مجھے بنایا جاوے لیکن یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خدمت کا بہترین موقع اور اکابر دیوبند کی نظرِ کامل مجھ جیسے نااہل پر اور خوش قسمتی وخدمت کا موقع ہے جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہی ہے۔ اس کے بعد ایک خاص بات یہ عرض کرنی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی جانب سے ہر مرتبہ ممبرانِ شوریٰ کو آنے جانے کا مکمل سفر کا کرایہ دیا جاتا

ہے۔اس معاملہ میں میں نے حضرت نانا جانؒ کو دیکھا بھی اور پھر میں نے آپ سے پوچھا بھی اس کے متعلق کہ جب آپ کے پاس کرایہ دینے کے لئے آدمی آتا تو آپ فوراً فرما دیتے کہ میں صرف اور صرف دار العلوم دیوبند کی خدمت کی غرض سے شوریٰ میں آتا ہوں لہٰذا مجھے کرایہ کی ضرورت نہیں ہے کہ میں دار العلوم سے آنے جانے کا کرایہ وصول کروں۔ ایسا کہہ کر آپ کرایہ لینے سے منع کر دیتے تھے گویا یہ بھی حضرت نانا جانؒ کی طرف سے ایک خدمت ہی تھی کہ الحمد للہ اتنے سالوں میں کبھی آپ نے کرایہ نہیں لیا۔ خلاصہ یہ کہ آپ (حضرت نانا جانؒ) ازھر الھند دار العلوم دیوبند اور اسی طریقہ سے کئی سالوں تک جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، جامعہ حقانیہ کٹھور وغیرہ کئی دینی اداروں کے رکن شوریٰ اور دیگر کئی مدارس و مکاتب کے سرپرست اور رئیس اور کئی قومی، سماجی و ملّی اداروں کے رہبر اور مربی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر میدان میں کام کرنے کا موقع دیا اور آپ نے اس کو بہت ہی سلیقہ کے ساتھ اور فکر و دھن کے ساتھ کامیاب طریقے سے خالصاً لوجہ اللہ انجام دیا اور امت کی بہترین خدمت اور رہنمائی فرمائی۔

اپنے بڑوں کا ذکر ادب سے کرنا

حضرتؒ جب اپنے اساتذۂ کرام کا تذکرہ فرماتے تھے تو نہایت ہی ادب و احترام سے فرماتے گویا کہ حضرت ان کی خدمتِ مقدسہ میں حاضر ہوں۔ اپنے اساتذۂ کرام کے علاوہ علمائے معاصرین ومحبین اور اہلِ علم و فضل کا ذکر بھی بڑے اکرام و احترام اور محبت سے فرماتے تھے۔ بدکلامی، غیبت، عیب جوئی، حسد وغیرہ تو دور کی بات ہے کسی پر تنقید یا تنقیص سے بھی غایت درجہ پرہیز فرماتے تھے اور فرماتے: بھائی (راقم الحروف کو کہ) ہمیں اپنا ہی پتہ نہیں تو اوروں کی فکر کہاں کریں، اصل میں تو جو وہاں (آخرت) میں کامیاب وہ ہر جگہ کامیاب اور جو وہاں (آخرت) میں ناکام تو وہ ہر جگہ ناکام سمجھا جائے گا اس لئے ہر آدمی کو

اپنی آخرت کی فکر لے کر چلنا چاہئے کہ کسی خطرہ میں وہ نہ پڑ جائے (اللّٰھم احفظنا منھم) آمین۔اور فرماتے تھے (راقم الحروف کو کہ) بھائی چاہے کوئی عالم ہو یا غیر عالم ہمیں توان میں سے ہر ایک کا ذکر خیر ہی سے کرنا ہے لیکن خصوصاً علماء کے معاملہ میں اور زیادہ احتیاط برتنا ہے اس لئے کہ علماء کوستانا اور تکلیف پہنچانا تو جدال من اللہ سے مترادف ہے جس کو حدیث پاک میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: "من عادٰ لی ولیا فقد آذنته بالحرب۔ الحدیث" اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ذکر خیر کی توفیق عطاء فرمائیں آمین۔

حضراتِ اہلِ علم واہلِ دل سے تعلق

حضرت نانا جانؒ اپنی انتہائی مصروفیت اور کثرت مشاغل کے باوجود بھی اکابر علماء واسلاف اور بزرگان دین کی خدمت میں حاضری موقع بموقع ضرور دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بزرگان دین اور اکابر امت کے زیر سایہ رہ کر چلنے میں ہی خیر و برکت اور عافیت ہے اسلئے کہ ہر کام میں ان کی توجہ اور دعا شامل حال رہتی ہے جس کی وجہ سے بڑے بڑے کام جلد از جلد ہو جاتے ہیں اور ان کے مشوروں پر چلنے سے انسان کامیاب ہو جاتا ہے۔حضرت نانا جانؒ جن جن بزرگوں کی خدمت میں اکثر حاضری دیتے رہتے تھے وہ یہ ہیں: شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب نوراللہ مرقدہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نوراللہ مرقدہ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نوراللہ مرقدہ، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہ، مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب نوراللہ مرقدہ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ، محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی نوراللہ مرقدہ، مفتی گجرات حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری نوراللہ مرقدہ، شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحب نور اللہ مرقدہ، جانشین شیخ الاسلام وفدائے ملت مولانا اسعد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہ، محدث عصر حضرت علامہ شیخ محمد یونس صاحب جونپوری دامت برکاتہم، جانشین شیخ الحدیث وصاحبزادہ محترم حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم وغیرھم حضرات علماء کرام وصوفیاء عظام کے یہاں اکثر وبیشتر حاضری دیا کرتے تھے۔ ان بزرگان دین میں سے اکثر خدا کے حضور میں پہنچ چکے ہیں اور کچھ حضرات بقید حیات ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی حیات کو ملک وملت کے حق میں عافیت کے ساتھ باقی رکھے۔ مذکورہ بالا حضرات حضرت نانا جانؒ کو اپنے مشوروں اور اپنی خصوصی دعاؤں سے نوازتے رہے اور آپ کی زندگی میں بلند تاثرات قائم وظاہر فرمائے۔ انہی اکابر واسلاف کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نانا جانؒ کو اپنے مشن میں اتنا کامیاب فرمایا کہ دیکھنے والے ان کی مقبولیت ومحبوبیت عامہ پر عش عش کرتے تھے اور مخالفین حسد کی آگ میں جل رہے تھے۔

حضرت نانا جانؒ کے لیل ونہار کی اجمالی فہرست (نظام الاوقات)

حضرت نانا جانؒ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ حتی الامکان ہر کام کو اس کے وقت میں انجام دیا جائے جس سے وقت میں برکت بھی ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے ہر کام بھی اس کے وقت پر ہو جاتا ہے جس کو نظام الاوقات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے وہ حضرت نانا جانؒ کے لیل ونہار کی اجمالی فہرست کے طور پر نقل کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت نانا جانؒ کی برسوں سے عادت تھی کہ آپ بوقت تہجد یعنی تقریباً رات کو ۳ یا ۳:۳۰ بجے بیدار ہو جاتے تھے۔ پھر پیشاب، وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر تہجد کی نماز ادا فرماتے تھے پھر نماز کے بعد بارگاہ الٰہی میں خوب گڑگڑا کر دعا فرماتے تھے (آہ، وہ کیا منظر ہوتا تھا جو آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے۔) دعا سے فارغ ہونے کے بعد پھر اذان فجر تک

اپنے بزرگان دین کی دی ہوئی تسبیحات دوازدہ کا روزانہ برابر ورد فرماتے کبھی بھی اس کو ناغہ نہیں فرماتے تھے، سفر میں بھی اس کا بہت خیال کرتے کہ کہیں معمولات ناغہ نہ ہو جائے۔ اس کے بعد روزانہ پابندی سے دلائل الخیرات، پھر سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات یا پھر کبھی حضرت خواجہ صاحبؒ کے الہامی اشعار روزانہ بعد ذکر برابر پڑھتے تھے۔ پھر سنتِ فجر ادا فرماتے اس کے بعد واپس فجر کی سنت اور فرض کے درمیان کچھ وظائف کو پڑھتے تھے۔ پھر اس کے بعد صلاۃ فجر کے لئے مسجد تشریف لے جاتے اور صلاۃ فجر کے بعد راستہ میں چل کر آتے ہوئے یٰسین شریف کی تلاوت کرتے تھے۔ اس کے بعد گھر کی پلی ہوئی مرغیوں کا دانہ پانی خود ڈالتے تھے پھر گھر میں آکر روزانہ کے معمول کے مطابق دو پارہ قرآن مجید کی تلاوت اور اشراق کی نماز اور حزب الاعظم، قصیدہ بردہ شریف برابر تقریباً ۸:۳۰ سے ۹ بجے تک پڑھتے تھے۔ پھر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد تقریباً ۱۰ یا ۱۰:۳۰ بجے مدرسہ میں تشریف لے جاتے تھے اور مدرسہ کے کام کاج وغیرہ سے فارغ ہو کر ۱:۳۰ بجے صلاۃ ظہر کے لئے تائی واڑہ جمعہ مسجد تشریف لاتے تھے۔ نماز ظہر سے فارغ ہونے کے بعد آپ گھر تشریف لاتے اور کھانا تناول فرماتے۔ پھر اگر کچھ کام ہوتا تو کام کرتے ورنہ اذان عصر تک قیلولہ فرماتے۔ پھر نماز عصر کی تیاری کر کے صلاۃ عصر تائی واڑہ جمعہ مسجد میں ادا فرماتے اس کے بعد پھر وہیں ایک مخصوص کمرہ میں بیٹھ کر کبھی قرآن کی تلاوت فرماتے کبھی کوئی دعا، تعویذ یا مشورہ کے لئے آتا تو وہ کام بھی کرتے اور اکثر و بیشتر قرآن مجید کی تفسیر کو دیکھنے کا معمول تھا۔ یہ تمام امور اذان مغرب تک ہی انجام دیتے تھے پھر صلاۃ مغرب کے لئے مسجد کے مخصوص حجرہ سے نکل کر نماز کے لئے جماعت خانہ میں تشریف لاتے تھے۔ پھر مغرب کی سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد صلاۃ اوابین ادا فرماتے۔ پھر کبھی کوئی ملنے والا کھڑا ہوتا تو اس سے ملتے ورنہ گھر

تشریف لے جاتے۔ پھر کبھی صلاۃ عشاء سے پہلے کھانا تناول فرماتے اور کبھی صلاۃ عشاء کے بعد اور صلاہ عشاء ادا کرنے کے لئے واپس تائی واڑہ جمعہ مسجد میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور صلاۃ عشاء کے بعد گھر تشریف لے جاکر کبھی کوئی ملنے والا ہوتا تو اس سے ملتے اور کچھ دیر گھر والوں سے ملتے اور بات چیت کرتے اور کچھ دیر کتاب دیکھتے ورنہ پھر پورے دن کے ہر قسم کے کام کاج کے جھمیلوں سے فارغ ہوکر دنیا کا یہ تھکا ماندہ مسافر اپنے بالکل سادہ بستر پر میٹھی نیند سو جاتا تھا۔ اور پھر تہجد کے وقت نیند سے بیدار ہونے کے بعد واپس وہی چکّر اور فکر رہتی تھی جو میں نے آپ کے سامنے نظام الاوقات کے طور پر ذکر کی۔

نوٹ: یہ نظام الاوقات جو اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ حضرت نانا جانؒ کی عملی زندگی کی پوری تصویر ہے اور اکثر دیکھا گیا کہ آپ کے اس نظام الاوقات میں کبھی کوئی فرق نہیں آتا تھا چاہے سفر ہو یا حضر ہو۔ البتہ زیارت حرمین شریفین، یوم جمعہ اور ماہ رمضان المبارک میں اس نظام الاوقات میں کچھ فرق آجاتا تھا اور آپ کے معمولات اور عبادتیں دوسرے دنوں کے مقابلہ میں ان دنوں میں زیادہ ہوجاتی تھیں اور فرماتے تھے کہ خصوصاً ان دنوں کی بہت ہی قدر کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ ایسے برکتی مواقع اور اوقات جب نکل جاتے ہیں تو پھر وہ دوبارہ جلدی سے ہاتھ نہیں آتے۔ اور نیز دوسری بات یہ کہ اس پورے نظام الاوقات کو حضرت نانا جانؒ سے سنا دیا گیا ہے۔

حضرت نانا جانؒ کی ابتدائی زندگی کے کچھ عجیب وغریب حالات

(۱) ایک مرتبہ احقر کے باصرار ابتدائی حالات پوچھنے پر بتلایا کہ بیٹا میری ابتدائی زندگی کے حالات تجھے کیا سناؤں! پھر آپ نے فرمایا کہ شروع میں میرا مسجد کا پگار یعنی تنخواہ تقریباً ۳۵ یا ۴۰ روپے اور مدرسہ کا پگار یعنی تنخواہ ۵۰ روپے تھا اور اس میں سے میں بخوشی میری والدہ کے منع کرنے کے باوجود میری والدہ کو ان کے استعمال کے لئے ماہانہ ۱۰

روپئے دیا کرتا تھا اور میرے اہل وعیال میں بھی ماشاءاللہ زیادہ افراد تھے اور صرف اتنے ہی روپئے میں پورے مہینے کا خرچ نکالنا ہوتا تھا تو بہت ہی کرکسر کے ساتھ گھر کا خرچہ نکالا کرتا تھا اور جب کچھ زیادہ ضرورت ہوتی پیسوں کی تو میں سر کا تیل، عطر اور شہد وغیرہ لاکر خود فروخت کیا کرتا تھا اور اس میں سے جو کچھ تھوڑا سا نفع ہوتا اس کو پگار یعنی تنخواہ میں ملا کر کچھ اس طریقے سے مہینے کا خرچ نکل جاتا تھا۔

(۲) پھر فرمایا کہ کبھی تو ایسا ہوتا تھا کہ پورا پورا ہفتہ ایسے نکل جاتا تھا کہ گوشت لانے کے پیسے بھی نہیں ہوتے تھے تو پھر میں جمعہ کے دن گوشت مارکیٹ سے جاکر بکرے کی جوڑ کی جو ہڈیاں ہوتی ہیں جس کو ہمارے یہاں گُڑیاں کی ہڈی کہتے ہیں وہ لاتا تھا اور ایک کھاٹکی (قصاب) مجھے دو پیسے میں وہ ہڈی دیتا تھا تو اس کو جمعہ کے دن لاکر دال میں ڈالتے تھے تاکہ کھانے میں کچھ لذّت پیدا ہوجائے۔

(۳) ابتداء میں میں نے میرے تمام بچّوں کو ٹائر (Wheel Rubber) کی چپلیں پہنائی ہیں۔ سورت میں ایک موچی (چمار) تھا جو ایسے چپل بناتا تھا تو وہاں سے میں معمولی قیمت سے خرید کر لاتا تھا اور وہ چپلیں بہت مضبوط ہونے کے سبب زیادہ چلتی تھی اور کبھی تو ایسا بھی ہوا کہ میرے بچے ایک دوسرے کے یعنی چھوٹے بچے بڑے بچوں کے کپڑے پہن لیا کرتے تھے۔ ایسے کچھ تنگ حالات اور عسرت کا دور تھا۔

(۴) پھر فرمایا کہ بھائی میں نے میری جوانی کے کئی سال کے بعد پہلی مرتبہ بمبئی دیکھا تھا اور وہ بھی اتفاق ایسا ہوا کہ میرے چچا بیرون ملک (Foreign) میں رہتے تھے تو جب وہ اس مرتبہ آئے تو انہوں نے میرے والد کو کہا کہ اسماعیل کو بھی بمبئی لینے کے لئے بھیجنا تو مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ چلو بمبئی تو دیکھنے کو ملے گا۔ اس وقت میں میری زندگی میں پہلی مرتبہ بمبئی گیا ورنہ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں بمبئی جاؤں گا اس لئے کہ اس وقت کچھ

حالات ہی ایسے نہیں تھے۔ پھر فرمایا کہ میرے جو یہ چچا بیرون ملک میں رہتے تھے یہ بہت ہی پیسے والے تھے، اللہ نے ان کو بہت کچھ دیا تھا اور وہ میرے ساتھ بہت ہی اچھا تعلق بھی رکھتے تھے اور مجھے بہت چاہتے بھی تھے لیکن کبھی میں ان کو میری اس حالت کے متعلق کچھ کہوں یہ بات تو درکنار کبھی میں نے ان کو میری اس حالت کا احساس تک بھی ہونے نہیں دیا کہ میرے کیسے تنگی سے دن کٹ رہے ہیں۔

(۵) ایک مرتبہ حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ جب میرے دوسرے نمبر کا لڑکا بچپن میں سخت بیمار ہو گیا تو میرے پاس اتنے پیسے بھی موجود نہیں تھے کہ اس کا مکمل طریقے سے علاج کروا سکوں تو پھر میں نے سوچا کہ میرے دوست مولوی ہاٹیا کے والد کے پاس جاؤں اور ان سے میری اس شدید ترین مجبوری کی کچھ بات کہوں اس لئے کہ وہ میرے ساتھ بہت ہی اچھا اور دوستانہ تعلق رکھتے تھے، تو میں ان کے پاس گیا اور جا کر ان سے کہا کہ مجھے ایک سخت مجبوری آئی ہے اس کی وجہ سے بادلِ ناخواستہ آپ کے پاس آیا ہوں تو انہوں نے کہا کہ مولانا آپ کو کیا مجبوری ہے بتلائیے تو حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ میرا لڑکا سخت بیمار ہے اور میرے پاس علاج کے لئے بالکل پیسے نہیں ہیں تو آپ یہ مہربانی کیجئے کہ میرے پاس میری جو اسٹیل کی بڑی الماری ہے اس کو آپ مجھ سے قیمتاً خرید لیجئے اور اس کے بدلے مجھے کچھ پیسے دے دیجئے تاکہ میں میرے لڑکے کا مکمل علاج کروا سکوں۔ تو انہوں نے فوراً کہا کہ مولانا آپ ایسی بات کیوں کر رہے ہیں آپ کے ایسی بات کہنے کی وجہ سے مجھے بہت ہی شرم محسوس ہو رہی ہے، پھر انہوں نے کہا کہ کیا مجھے آپ پر بھروسہ نہیں ہے کہ میں ایسا کروں، میرے پاس سے آپ کو جتنے بھی پیسوں کی ضرورت ہو لے جائیے پھر جب آپ کے پاس پیسے آ جائیں تو مجھے واپس کر دینا ورنہ کچھ بھی نہیں۔ پھر جب آپ کے پاس کچھ مدت کے بعد پیسے آئے تو آپ نے فوراً ان کو ان کے پیسے شکریہ

ادا کرتے ہوئے واپس کر دیئے۔

یہ تھے حضرت ناناجانؒ کی ابتدائی زندگی کے کچھ مختصر حالات، یہ تو جو کچھ میں نے اصرار کر کے حضرت ناناجانؒ سے سنے تھے اس لئے نقل کر دیئے کہ ہمیں معلوم ہو کہ آپ کی ابتدائی زندگی کے کیسے عجیب وغریب حالات تھے، نہ معلوم اس کے سوا حضرت ناناجانؒ پر کیسے کیسے حالات آئے ہوں گے جن کا کسی کو پتہ تک نہیں چلنے دیا۔ یہ تو آپ نے اتنے کچھ مختصر حالات احقر کو سنائے تو مجھے بھی پتہ چلا اور میں نے اس کو لکھ کر آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیا ورنہ دیکھنے والے تو یہی سمجھتے رہے کہ آپ کی زندگی بہت بادشاہی اور ٹھاٹھ والی تھی۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ انسان کبھی بھی کسی کی ظاہری زندگی کو دیکھ کر پتہ نہیں لگا سکتا کہ یہ آدمی ایسے ٹھاٹھ والا ہے ورنہ جب اس کی ابتدائی اندرونِ زندگی کے حالات کا پتہ چلتا ہے تو صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یا اللہ اس نے اپنی ابتدائی زندگی کو کیسے بسر کیا اور اتنے چاہنے والوں اور ماننے والوں کے باوجود کسی کو پتہ تک نہیں ہونے دیا کہ کیسے زندگی گزار رہا ہوں۔ کیا کمال کی شانِ استغنیٰ، خودداری اور وفاداری سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذاتِ اقدس کو نوازا تھا۔

کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گزر گئے　　　جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

اور دوسری خاص بات یہ عرض کرنی ہے کہ کچھ عمر ہونے کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ناناجانؒ کو پیسے دیئے اور کچھ راہیں فتوحات کی کھولیں تو حضرت ناناجانؒ نے مسجد، مدرسہ صرف یہ دو ہی جگہ سے جو کچھ بھی چند سالوں تک اپنی شدید ضرورت سے پگار یعنی تنخواہ لی تھی اس کو بھی واپس مسجد اور مدرسہ میں جمع کروا دیا۔ بلکہ یوں کہہ کر بہت بڑی رقم اور بھی پگار کے علاوہ مسجد اور مدرسہ دونوں میں جمع کروائی کہ اگر مجھ سے کبھی کوئی کوتاہی ہو گئی ہو تو اس کے لئے خاص طور سے یہ رقم جمع کروا رہا ہوں کہ آخرت میں میری پکڑ نہ ہو، اس حد تک احتیاط تھا آپؒ کی ذاتِ اقدس میں......

حضرت اقدس تھانویؒ کی زیارت سے محرومی پر افسوس

ایک مرتبہ حضرت نانا جانؒ سے میں نے دریافت کیا کہ آپ نے حضرت والا تھانویؒ کی زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے اور کیا حضرت تھانویؒ کو آپ نے دیکھا ہے؟ تو حضرت نانا جانؒ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ میں حضرت تھانویؒ کی زیارت اور ملاقات سے محروم رہا، تو میں نے عرض کیا کہ آپ حضرت تھانویؒ کی زیارت و ملاقات سے کیسے محروم رہے؟ تو حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے ایک دوست مولوی بڑا صاحب مرحوم فورین (Foreign) سے آئے ہوئے تھے تو ہم نے یوپی کی طرف جانے کا پروگرام بنایا جس میں خصوصی طور پر ہم نے یہ طے کیا ہوا تھا کہ تھانہ بھون تو حضرت تھانویؒ کی ملاقات و زیارت کے لئے جانا ہی جانا ہے اور ٹکٹ بھی ہمارے آ گئے تھے لیکن نہ معلوم قسمت نے زور نہیں کیا اور میرے نصیب میں بھی نہیں ہوگا مجھے اچانک کوئی ایسا ضروری کام نکل آیا کہ میں نہ جاسکا اور محروم رہا جس کا مجھے بہت ہی افسوس رہا لیکن سوچا کہ بعد میں دوسری مرتبہ حضرت تھانوی کی خدمت میں جاؤں گا لیکن بعد میں جلد ہی حضرت تھانویؒ کا انتقال ہوگیا۔

حضرت علاّمہ کشمیریؒ کی زیارت کا شرف

ایک مرتبہ احقر کے ایسے ہی پوچھنے پر حضرت نانا جانؒ بزرگان دین کی کچھ باتیں سنا رہے تھے تو احقر نے دوران گفتگو یہ پوچھا کہ آپ نے حضرت علاّمہ انور شاہ کشمیریؒ کو دیکھا ہے؟ تو خوشی کے ساتھ فرمایا کہ ہاں الحمد للہ جب میں چھوٹا تھا تو اس وقت میرا کسی کے ساتھ ڈابھیل جانا ہوا تو وہاں حضرت علاّمہ کشمیریؒ کی زیارتِ بابرکت نصیب ہوئی۔ پھر احقر نے پوچھا کہ حضرت علاّمہ کشمیری کیسے تھے؟ تو فرمایا کہ میں نے وہاں ان کو دور سے

آتے ہوئے دیکھا کہ کیا ہی سفید اور خوبصورت پُرنور اور بارُعب چہرہ تھا اور سر پر سفید عمامہ باندھ کر تشریف لا رہے تھے، کیا ہی ان کی شان تھی اور دیکھنے سے ہی یہ معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی زبردست عالم دین اور ولی کامل آ رہے ہیں۔ ایک بات قابل ذکر ہے کہ حضرت والاؒ چونکہ دارالعلوم دیوبند کے ممبر رکنِ شوریٰ تھے تو سال میں وہاں دو بار شوریٰ کے لئے آنا جانا ہوتا تھا اور احقر کو بھی الحمدللہ حضرت نانا جانؒ کی برکت سے یہ خوش نصیبی حاصل رہی کہ آخری زندگی میں کئی سالوں تک احقر بھی بحیثیت خادم کے حضرت نانا جانؒ کے ساتھ جاتا تھا تو ایک مرتبہ جب ہم وہاں پہنچے تو میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی یعقوب اشرف صاحب بھی وہاں دیوبند میں پہلے سے موجود تھے تو پھر دوسرے دن ہم تینوں کو حضرت والاؒ، حضرت والد ماجد اور احقر کو ابن انور حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری کے یہاں صبح ناشتے کی دعوت تھی تو وہاں ناشتے کے لئے گئے تو کچھ باتوں باتوں میں ایسی بات چلی تو حضرت مولانا انظر شاہؒ نے فرمایا کہ اب تو میرے والد صاحبؒ علاّمہ انور شاہ کشمیری کو دیکھنے والا کوئی نظر نہیں آتا ہے پہلے دنیا میں کہیں بھی جانا ہوتا تھا تو وہاں کوئی نہ کوئی حضرت علاّمہ کشمیری کو دیکھنے والا مل جاتا تھا اور اس کی زیارت کر کے دلی اطمینان اور سکون ہو جاتا تھا کہ حضرت والد صاحب علاّمہ کشمیریؒ کو دیکھنے والے ابھی کوئی نہ کوئی موجود ہیں لیکن اب تو نہ معلوم کوئی دِکھتا ہی نہیں ہے کہ اس کو دیکھ کر اطمینان اور سکون ہو۔ پھر حضرت انظر شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ اب ایسا لگتا ہے کہ میرے والد صاحب علامہ کشمیریؒ کو دیکھنے والے سب کے سب ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس بات کو سننے کے بعد حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ جب میں چھوٹا تھا اور اس وقت ڈابھیل گیا تھا تو وہاں میں نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو دیکھا تھا اور مجھے برابر ابھی بھی ان کی شکل وصورت یاد ہے اور گویا کہ ان کی شکل ابھی بھی میری نظروں کے سامنے ہے۔ تو حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ بہت ہی خوش ہوئے اور

فرمایا کہ شاید میرے والد صاحبؒ کو دیکھنے والے پوری دنیا میں صرف آپ ہی ہیں اس لئے کہ آپ نے حضرت والد صاحبؒ کو اتنی چھوٹی عمر میں دیکھا تھا اس لئے آپ دیکھنے والے موجود ہیں ورنہ بڑی عمر کے دیکھنے والے سب بیچارے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ مجھے اب آپ کو دیکھ کر بہت ہی سکون ہو رہا ہے کہ میرے والد صاحبؒ کو دیکھنے والے ایک یادگار تو ابھی الحمدللہ موجود ہیں۔

امیر الھند حضرت مولانا سیّد شاہ عطاء اللہ بخاریؒ کی زیارت وملاقات کا شرف

ایک مرتبہ احقر نے حضرت نانا جانؒ سے پوچھا کہ آپ نے حضرت شاہ عطاء اللہ بخاریؒ کو دیکھا ہے تو حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ بیٹا صرف حضرت شاہ عطاء اللہ بخاریؒ کو دیکھا ہی نہیں ہے بلکہ ملاقات بھی کی ہے اور ساتھ ساتھ حضرت شاہ عطاء اللہ بخاریؒ کا بیان بھی میں نے چنار واڑا مسجد راندیر میں سُنا ہے۔ تو میں نے حضرت نانا جانؒ سے دریافت کیا کہ میں نے ایسا سنا کہ شاہ صاحب کا بیان بہت ہی جلالی اور پُر جوش انداز میں ہوتا تھا تو حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ ہاں بالکل صحیح بات ہے، آپ کا آواز بہت ہی بلند اور خوش آواز تھے اور بہت ہی جوش وخروش کے ساتھ آپ جلالتِ شان سے بیان فرماتے تھے، ایسا لگتا تھا کہ گویا شیر ببر دہاڑ رہا ہے، اسی وجہ سے تو آپ سے انگریز بھی کانپتا تھا۔ اس کو بیان کرنے کے بعد حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ گویا ابھی بھی میری آنکھوں کے سامنے وہ منظر ہے کہ جس وقت میں نے حضرت سیّد شاہ عطاء اللہ بخاریؒ کو چنار واڑا مسجد (راندیر) میں بیان کرتے ہوئے دیکھا تھا، کیا ہی خوب شان تھی ہمارے بزرگان دین اور اکابر امّت کی...

اپنے شیخ اوّل حضرت مدنیؒ کی کرامت کا واقعہ بسلسلۂ برکت

ایک مرتبہ حضرت نانا جانؒ مجھے کچھ اپنے بزرگوں کی باتیں سنا رہے تھے تو سناتے سناتے فرمایا کہ میں نے حضرت مدنیؒ کے یہاں ایک عجیب چیز دیکھی کہ جب ہم حضرت مدنیؒ کی خدمت میں دیوبند جاتے اور حضرت مدنیؒ کے یہاں مہمان ہوتے تو جب کھانے کا وقت ہوتا تو ہم تمام کو اور جو بھی وہاں حاضر ہوتے ان کو حضرت مدنیؒ کے ساتھ ہی کھانے میں شریک ہونے کا موقعہ ملتا۔ جب کھانا آتا اور دستر خوان پر رکھا جاتا اور اس کے بعد پھر اخیر میں کپڑے میں لپیٹ کر تھوڑی سی روٹی لائی جاتی اور حضرت مدنیؒ کے ہاتھ میں اس کو دے دی جاتی تو حضرت مدنیؒ پہلے تمام کو نکال نکال کر ایک ایک روٹی دیتے پھر کھانا شروع ہو جاتا اور سب کھانا کھاتے رہتے لیکن حضرت مدنیؒ کی نگاہ کھاتے کھاتے سب پر رہتی تھی اور سب کو دیکھتے رہتے کہ کسی کو کوئی کھانے کی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ اگر ضرورت ہوتی تو فوراً اشارہ کر کے اس کھانے کی چیز کو منگواتے اور اگر روٹی کی ضرورت ہوتی تو حضرت مدنیؒ اپنے پاس رکھے ہوئے اس کپڑے میں سے روٹی نکال کر عنایت فرماتے۔ لیکن عجیب بات میں نے یہ دیکھی جس کو میں حضرت والا مدنیؒ کی کرامت ہی سمجھتا ہوں کہ کھانا تو ختم ہوتا رہتا اور آتا رہتا لیکن حضرت مدنیؒ کے ہاتھ میں پہلے سے جو روٹی لا کر دی جاتی تھی وہ ختم نہیں ہوتی تھی بلکہ سب کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ کپڑا اندر جاتا تو اس میں ابھی بھی کچھ روٹی بچی ہوئی نظر آتی تھی جو حضرت والا شیخ مدنیؒ کی کرامت اور برکت ہی تھی کہ اتنے لوگ آپ کے دستر خوان پر کھاتے پھر بھی تھوڑی سی روٹی میں سے بھی کچھ روٹی بچ جاتی تھی جس کو میں نے بارہا حضرت مدنیؒ کے ساتھ کھاتے ہوئے اس کرامت اور برکت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کا قمیصِ مبارک بطور تبرّک

(حضرت والاؒ کے کفن میں)

ایک مرتبہ انتقال سے کافی سال پہلے حضرت نانا جانؒ اپنا اور اپنی اہلیہ کا کفن گھر کے ہی ایک یا دو آدمی کے ذریعہ سے کٹوا رہے تھے اور تیار کروا رہے تھے تو اس وقت حضرت والا نانا جانؒ نے ایک قمیص نکالا جو نہایت ہی سادہ اور کھادی کے کپڑے کا بنا ہوا تھا اور اس پر پیوند لگے ہوئے تھے اور وہ عطر مجموعہ کی خوشبو سے بہت ہی مہک رہا تھا تو حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ اس کو بھی میں جیسا کہوں ویسا صحیح بنا دو اور صحیح بنا کر میری کفن کی گٹھری میں رکھ دو بطور کفنی کے اور جب میرا انتقال ہو جائے تو اس کو بطور کفنی کے مجھے پہنا دینا اس لئے کہ یہ میرے شیخ و مرشد حضرت مدنیؒ کی مبارک یادگار ہے جس کو میں بطور خاص تبرک کی نیت کے حضرت مدنیؒ کے پاس سے بواسطے میرے کفن کے لایا ہوں۔ پھر حضرت والاؒ کی تمنا اور خواہش کے مطابق حضرت والاؒ کو وہی کفنی انتقال کے بعد پہنائی گئی اور حضرت والاؒ اپنے شیخ کی کفنی کو پہن کر اپنے ساتھ قبر میں بنیّتِ تبرک کے لے گئے۔ ایک مرتبہ احقر نے حضرت نانا جانؒ سے پوچھا کہ آپ وہ کفنی حضرت مدنیؒ کے پاس سے کیسے لائے تھے تو فرمایا کہ بیٹا! حضرت والا مدنیؒ سے مجھے بہت ہی محبت تھی اور میرے ساتھ حضرت والا مدنیؒ بھی بہت ہی محبت فرماتے تھے اور میری دعوت پر حضرت مدنیؒ میرے اس مکان پر بارہا تشریف لائے۔ حضرت مدنیؒ نے رات کو بھی ایک دو بار قیام فرمایا ہے اور رات کو قیام کے وقت خدمت کا موقع دینے کے ساتھ ساتھ ہم چند آدمیوں کو ذکر قلبی بھی حضرت مدنیؒ نے خود کر کے سکھلایا ہے۔ اور فرمایا کہ اس ذکر قلبی کو آپ لوگ بھی ہمیشہ کرتے رہو۔ میں نے حضرت نانا جانؒ سے اس حضرت مدنیؒ کے سکھلائے ہوئے ذکر قلبی کو بارہا دیکھا انتقال تک اور حضرت مدنیؒ کے سکھلائے ہوئے اس ذکر قلبی پر مداومت تامّہ کرتے ہوئے میں

نے حضرت نانا جانؒ کو ہمیشہ دیکھا ہے۔ تو حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ حضرت مدنیؒ کی مجھ پر اتنی زیادہ خصوصی شفقتیں اور محبت تھی تو میں بھی حضرت مدنیؒ کے دولت کدہ پر بارہا حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ موقع دیکھ کر میں نے حضرت مدنیؒ سے مؤدبانہ درخواست دی کہ حضرت آپ مجھے آپ کی ایک کفنی مبارک عنایت فرمائیں اس لئے کہ میں اس کو اپنے کفن میں خاص تبرک کے لئے لے جانا چاہتا ہوں۔ تو حضرت مدنیؒ نے مجھ کو اپنی ایک کفنی مبارک نکال کر چپکے سے عنایت فرمادی۔ یہ بھی حضرت مدنیؒ کا خاص احسان اور خصوصی محبت ہی تو تھی میرے ساتھ۔ اس پورے واقعہ کو سنانے کے بعد حضرت نانا جانؒ نے مجھ کو مسکرا کر فرمایا کہ بیٹا احمد! ایسے لایا تھا میں اس کفنی کو میرے شیخ کے پاس سے۔

حضرت شیخ مسیح الامّت جلال آبادیؒ کا ارشاد صلاۃ جمعہ کے متعلق

ایک مرتبہ دوران گفتگو حضرت نانا جانؒ نے احقر سے فرمایا کہ میں اور میرے چند ساتھی ہم حضرت والا جلال آبادیؒ کی خدمت اقدس میں جلال آباد حاضر ہوئے اور چند دن قیام بھی کیا۔ جس دن وہاں سے رخصت ہونے کا تھا وہ جمعہ کا دن تھا اور اسی دن کا ٹکٹ ملا ہوا تھا تو ہم نے سوچا کہ جمعہ سے پہلے ہی حضرت والا جلال آبادیؒ سے رخصتی ملاقات کرلیں اور پھر فوراً جمعہ کی نماز پڑھ کر نکل جائیں گے۔ جب ہم جمعہ سے پہلے ملاقات کیلئے حاضر ہوئے تو حضرت جلال آبادیؒ نے واپسی کی کیا شکل ہے اور ٹکٹ کب کا بنا ہوا ہے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو ہم نے عرض کیا کہ صلاۃ جمعہ کے بعد فوراً ٹرین ہے اور اسی ٹرین سے واپسی ہے لہٰذا ہم صلاۃ جمعہ پڑھ کر فوراً نکل جائیں گے اس لئے ہم رخصتی ملاقات اور دعا کے لئے صلاۃ جمعہ سے پہلے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئے ہیں۔ تو حضرت والا شیخ جلال آبادیؒ نے فرمایا کہ مسافر پر تو صلاۃ جمعہ نہیں بلکہ ظہر کی نماز ہے اور وہ بھی قصر کے ساتھ لہٰذا تم لوگ ظہر کی دو رکعات قصر پڑھو اور فوراً سفر کے لئے روانہ ہو جاؤ، صلاۃ جمعہ پڑھنے کی ضرورت

نہیں ہے، جبکہ شریعت نے ہم کو سہولت دی ہے اور رخصت دی ہے تو اسی پر عمل کرو کیوں اپنی طرف سے مشقت کی راہ تلاش کرتے ہو، اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ایسا فرما کر حضرت جلال آبادیؒ نے ہم کو سفر کے لئے بعد ملاقات و دعا روانہ فرمایا اور گویا حضرت جلال آبادیؒ نے ایک عملی سبق پڑھایا اور اس کی ہم کو تعلیم دی، اس وقت حقیقتاً سمجھ میں آیا کہ بزرگی کیا ہے، بزرگی اسی میں ہے جو حضرت والا جلال آبادیؒ نے ہم کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ صلاۃ جمعہ نہ پڑھو بلکہ صلاۃ ظہر قصر کر کے پڑھو اس لئے کہ جمعہ کی نماز مسافر پر نہیں ہے۔ اسی بات یعنی اتباعِ شریعت میں بزرگی ہے، بزرگی اس میں نہیں ہے کہ تم شریعت کے تقاضے کے خلاف چلتے ہوئے جمعہ پڑھو اور اپنے آپ کو بزرگ سمجھو۔ اس واقعہ کو سامنے رکھ کر حضرت نانا جانؒ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ علمِ شریعت تو مدرسہ میں ملتا ہے کتابوں کے ذریعہ سے لیکن عملِ شریعت یہ تو خانقاہوں میں بزرگانِ دین کی صحبت اور زیرِ سایہ رہ کر ہی ملتا ہے کہ انسان کی عملی زندگی کیسی ہونی چاہئے اور کس وقت شریعت کے مطابق کیا عمل ہونا چاہئے۔

تلاوتِ قرآن و صلاۃ تہجد سے انتہائی شغف

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی   کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

حضرت نانا جانؒ کو پہلے ہی سے تلاوتِ قرآن اور تہجد گزاری سے بڑا شغف تھا اور ہمیشہ آپ نے اس پر مداومت تامہ فرمائی ہے، کبھی بھی اس کو ناغہ نہیں فرمایا۔ حضرت نانا جانؒ خواہ بیمار ہوں یا صحت مند، سفر میں ہوں یا حضر میں، بہر حال قلتِ نوم کے باوجود بھی ہمیشہ آپ کا رات کو ۳ یا ۳:۳۰ بجے اُٹھنے کا لازمی معمول تھا۔ اٹھ کر تہجد کی نماز و دعا اور پھر قرآن مجید کے روزانہ کم از کم دو پارہ پڑھنے کا برابر اخیری زندگی تک آپ کا معمول رہا۔ اور قرآن مجید سے اتنا شغف تھا کہ دن میں جب بھی موقع ملتا تو اکثر و بیشتر قرآن مجید ہی کی تلاوت فرماتے، فضول وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اگر کوئی فضول وقت ضائع کرتا تو

فرماتے کہ وقت کو بہت ہی قیمتی سمجھو اور اس کو ضائع نہ کرو، جو وقت جاتا ہے پھر وہ ہاتھ نہیں آتا اس لئے ہمارے واسطے ہر ہر لمحہ اور ہر ہر سیکنڈ بہت ہی قیمتی ہے تو اس کو اچھے کاموں میں صرف کرو۔ کثرتِ تلاوتِ قرآن ہی واحد وجہ تھی کہ حضرت نانا جانؒ جب بھی بیمار ہوتے تو فوراً آپ کی زبان پر قرآن مجید کی تلاوت ہمیشہ شروع ہو جاتی تھی اور الحمدللہ آپ کو قرآن مجید بھی اتنا پختہ یاد تھا کہ کبھی اگر شدید بیمار ہونے کی حالت میں بھی تلاوت فرماتے تو کبھی غلطی تک نہیں جاتی تھی، گویا کہ قرآن مجید کی تلاوت آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ اور احقر کو بھی اور دوسرے حضرات کو بھی بار بار فرماتے تھے کہ بھائی میں جب سے حافظ ہوا ہوں الحمدللہ اس وقت سے آج تک کبھی بھی میں نے ایک دن میں دو پارے سے کم قرآن مجید کی تلاوت نہیں کی ہے بلکہ ہمیشہ سے دو پارے تو کم از کم اور کبھی موقع اور وقت ہو تو اس سے زیادہ بھی تلاوت کر لیتا ہوں، آپ لوگ بھی اس کو اپنا معمول بنالیں انشاءاللہ کبھی قرآن کو نہ بھولو گے اور قرآن مجید سینے میں برابر پختہ محفوظ رہے گا۔ اور کبھی حضرت نانا جانؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ وقت نکال کر روزانہ دو پارے نفل نماز میں پڑھنے کا معمول رکھو اس سے قرآن مجید بہت پختہ یاد اور سینے میں محفوظ رہے گا اور خود آپ بھی اس پر برابر عمل کرتے تھے اور نفل نمازوں میں اسی طریقے سے قرآن مجید کی تلاوت کا معمول تھا۔ ایک مرتبہ حضرت نانا جانؒ کو کافی بخار ہو گیا اور بہت ہی بیمار ہو گئے تو رات کو سوتے وقت احقر نے حضرت نانا جانؒ کی خدمت میں یہ عرض کی کہ آج آپ کی طبیعت زیادہ خراب اور نادرست ہو چکی ہے اور کمزوری بھی کافی آچکی ہے تو آپ برائے کرم آج فجر کی اذان تک آرام فرمائیں، صلوٰۃ تہجد کے لئے بیدار نہ ہوں ورنہ طبیعت کے نادرست اور کمزور ہونے کے سبب چکر آجائیں گے اور کہیں آپ گر جائیں گے تو زیادہ تکلیف ہو جائے گی۔ تو حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، پھر آپ سو گئے لیکن جب رات کو ۳:۳۰ یا ۳:۴۵ بجے میری آنکھ کھلی تو

میں نے دیکھا کہ حضرت نانا جانؒ صلوٰۃ تہجد سے فارغ ہوکر دعا میں مشغول ہو چکے تھے تو پھر میں نے کہا کہ نانا جان آپ کیوں منع کرنے کے باوجود بیدار ہوئے تو مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے روز کے مقابلہ میں آج بیمار ہونے کے باوجود مجھے جلدی سے بیدار کردیا اور طبیعت بھی اچھی معلوم ہوئی تو کیا میں بستر پر سویا رہوں یا اللہ کی بارگاہ میں شکریہ ادا کروں، آج تو مجھے روز کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی کرنا چاہئے بطور شکرانے کے۔ محلّے کے افراد بھی اور وہاں سے روزانہ گزرنے والے کچھ لوگ بتا رہے تھے کہ حضرت نانا جانؒ کی وفات کے بعد تو گویا محلّہ سُونا سا ہو گیا اور سناٹا معلوم ہونے لگا ورنہ پہلے تو آدھی رات کا کچھ حصّہ گزرنے کے بعد کبھی تو صلوٰۃ تہجد میں تلاوت قرآن کی آواز، کبھی دُعا میں امّت کے لئے بھی اور اپنے لئے بھی خوب گڑگڑا کر رونے کی اور آہ وزاری کی آواز، کبھی تو درمیانی جہر کے ساتھ ذکر کی آوازیں آتی رہتی تھیں اور یہ اللہ کا بندہ بیدار ہو کر غیر معمولی کیف ومستی کے عالم میں خوب آہ وبکاء کے ساتھ امّت مسلمہ کی مغفرت ونجات کے لئے اور خصوصاً امّت مسلمہ کی پریشانی کے دفع کے لئے اور مقاصدِ حسنہ کے لئے ربّ العالمین کی بارگاہ میں خوب خوب دعائیں کرتا اور اپنے پروردگار کو امّت مسلمہ کے حق میں خوب خوب منانے کی کوششیں کرتا تھا، اس میں کسی قسم کی کوئی کسر باقی نہیں رکھتا تھا۔ اور میری آنکھوں کے سامنے گویا ابھی بھی وہ منظر ہے کہ کبھی میری نیند سے آنکھ کھلتی تو بعض مرتبہ میں نے خود دیکھا کہ دعا میں روتے روتے حضرت نانا جانؒ کی سسکیاں بندھ جاتی تھیں اور آواز بھی کچھ دیر کے لئے ہلکی سی بیٹھ جاتی تھی۔ اور بعض مرتبہ تو دیکھا گیا کہ کتنی دیر تک حضرت نانا جانؒ ایک ہی دعا کو مسلسل برابر مانگتے رہتے تھے پھر آپ کو قلبی اطمینان ہو جاتا کہ میری دعا کو ربّ العالمین نے ضرور سُن ہی لیا ہے تو پھر آگے اور دعا کرتے۔ آہ، وہ کیا منظر ہوتا تھا جبکہ حضرت نانا جانؒ بلک بلک کر بارگاہ الٰہی میں روتے تھے تو بالکل ایسا ہی لگتا تھا کہ جیسے بچہ

اپنی ماں سے چمٹ چمٹ کر اور بلک بلک کر روتا ہے اور جو چیز اس کو چاہئے اس کے لئے وہ اپنی ماں کو منوا لیتا ہے بس اسی طریقے سے حضرت نانا جانؒ کی دعا بوقت تہجد خاص طور سے ہوا کرتی تھی۔

ایک ہوک سی دل میں اٹھتی تھی اک درد جگر میں ہوتا تھا
وہ رات کو اٹھ کر روتے تھے جب سارا عالم سوتا تھا

آہ، افسوس کہ آج ہم ایسے امت کے لئے راتوں کو بیدار رہ کر دعائیں کرنے والے ہاتھوں سے اور امت کے لئے رونے والی آنکھوں سے اور امت کے لئے درد رکھنے والے دل سے امت محروم اور بلفظِ دیگر یتیم ہوگئی۔ حضرت نانا جانؒ صلوٰۃ تہجد کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے جس کو احقر ''حضرت والاؒ کا دوسرا نکاح'' اس مضمون کے تحت نقل بھی کر چکا ہوں حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ ایک بات تو یہ کہ صلوٰۃِ تہجد کے متعلق احادیث میں بھی بہت کثرت سے فضائل کا ذکر آیا ہے اور دوسری بات کہ صلوٰۃ تہجد یہ تو قبر کی لائٹ (بتی) ہے اس نماز سے تو قبر میں روشنی ہوگی اور نور پھیلے گا لہٰذا اس کا خاص طور سے اہتمام ہونا چاہئے۔ اور ایک مرتبہ یہ بات فرمائی کہ جس نے بھی دین و دنیا کی جو بھی بھلائی اور فلاح پائی ہے اور جو بھی اس فلاح اور بھلائی کو آئندہ پانا چاہتا ہے تو اس کو راتوں کو میٹھی نیند سے بیدار ہو کر صلوٰۃِ تہجد کا اہتمام کرنا ہوگا۔ ہمارے اسلاف اور اکابرِ امت نے بھی خصوصاً اسی سے بہت کچھ پایا ہے اور یہ مقولہ بھی اسی کے متعلق ضرب المثل ہے: مَن طلب العلیٰ سَہِرَ اللیالی ......

نمازِ باجماعت کا اہتمام اور روزوں سے بھی انتہائی لگاؤ

حضرت نانا جانؒ کو نماز اور روزوں سے خوب لگاؤ اور قلبی تعلق تھا اور فرماتے تھے کہ بھائی نماز باجماعت کی خوب پابندی کیا کرو اور اس کو ایسے ہی مت ترک کیا کرو اس لئے

کہ تارکِ صلوٰۃ و تارکِ جماعت کی تو قرآن و حدیث میں خوب وعیدیں آئی ہیں اور اس کو انجام دینے کے خوب فضائل بھی وارد ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے تو معلوم ہوا کہ نماز چھوڑنے پر سخت وعید اور نماز باجماعت پڑھنے کے خوب فضائل ہیں اور جنت کا وعدہ ہے تو ہم خواہ مخواہ اس کو کیوں چھوڑیں۔ لہٰذا پنج وقتہ نماز باجماعت کا خوب اہتمام کرنا چاہئے اور اس کے علاوہ سنن و نوافل کا بھی خوب خوب اہتمام ہونا چاہئے۔ اور حضرت نانا جانؒ صرف یہ کہتے ہی نہیں تھے بلکہ آپ خود بھی صلوٰۃ تہجد، اشراق، چاشت، اوّابین پابندی سے ادا فرماتے تھے اور پھر اوروں کو اس کی ترغیب دیتے تھے۔ اور اگر کوئی نماز چھوڑتا تو بہت ناراض ہو جاتے اور فرماتے کہ ایدھی (سست) کی طرح پڑے رہتے ہو نماز کی کوئی فکر نہیں ہے، اب آئندہ اگر ایسا کیا تو یاد رکھنا کہ گھر سے نکال دوں گا۔ تو آپ اس طریقے سے ڈراتے اور دھمکاتے تھے تاکہ اصلاح ہو جائے۔

حضرت نانا جانؒ کا معمولات کا سلسلہ سفر و حضر دونوں میں یکساں تھا اس لئے اکثر دیکھا گیا کہ سفر میں بھی خصوصاً نمازوں کا اس قدر خیال فرماتے کہ جس قدر حضر میں خیال فرماتے تھے۔ اور دیگر تمام معمولات کا بھی یہی حال تھا کہ جس طرح آپؒ حضر میں اس کو انجام دیتے اسی طریقے سے سفر میں بھی انجام دیتے تھے، کبھی بھی کسی معمولات کو ناغہ نہیں فرماتے تھے۔ اکثر سفر میں ساتھ جانا ہوتا تو اگر گاڑی (کار) میں سوار ہوتے تو ڈرائیور سے فوراً فرماتے کہ نماز کا وقت ہو چکا ہے جہاں کہیں مسجد ہو گاڑی (کار) روک دینا۔ اور اگر ٹرین میں سوار ہوتے تب بھی وقت ہونے کے ساتھ فوراً کھڑے ہو جاتے اور وضو فرما کر نماز ادا فرماتے۔ اور جہاں تک ہو سکتا تھا وہاں تک ہمیشہ کھڑے ہو کر ہی نماز ادا فرماتے، بلا کسی عذر شدید کے نہیں بیٹھتے تھے۔ اور اکثر یہ بھی دیکھا گیا کہ آپ کو صلوٰۃ التسبیح سے بہت زیادہ لگاؤ تھا، ہفتہ میں ایک بار یا پھر کم از کم مہینہ میں ایک بار تو ضرور ادا فرماتے اور رمضان میں تو

اکثر روزانہ رات کو آپ یہ نماز پڑھتے تھے اور اس کی طرف رغبت بھی دلاتے تھے اور نمازوں سے تعلق اور لگاؤ اور اس کا اہتمام۔ یہی ایک وجہ تھی کہ مرض الموت میں بھی آپ کی ایک نماز بھی قضا نہیں ہوئی، برابر وقت پر فرماتے کہ وضو کا پانی لاؤ پھر آپ کو وضو کرایا جاتا اور پھر آپ نماز ادا فرماتے تھے۔ نمازوں کا اس قدر اہتمام تھا اور روزوں سے بھی آپ کو بہت ہی زیادہ تعلق اور لگاؤ تھا۔ ہمیشہ کئی برسوں سے آپ رمضان کے روزوں کے علاوہ شش عید کے روزے، عاشورہ کے دو روزے اور اسی طریقے سے ہر ماہ اکثر کچھ نہ کچھ روزے رکھنے کا بھی معمول تھا۔ ایک مرتبہ احقر کے دریافت کرنے پر بتلایا کہ میں یہ تمام روزے الحمدللہ کئی سال سے رکھتا ہوں، بچپن سے اس کی عادت ہوتی ہے تو پھر طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے مشکل معلوم نہیں ہوتا، ورنہ کئی لوگوں کو رمضان کے روزے رکھنا بھی بھاری گزرتا ہے، لہٰذا آپ لوگ بھی ابھی سے اس کی عادت ڈالو تا کہ آگے چل کر مشکل معلوم نہ ہوں۔ تو دیکھئے حضرت نانا جانؒ نماز، روزے اور دیگر معمولات کا بھی سفر و حضر میں کتنا خیال فرماتے تھے، کبھی بھی بلا شدید مجبوری کے ان تمام رات دن کے معمولات کو ناغہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ دراصل یہ تمام بزرگانِ دین اور اکابر امت کی حیات طیبہ اور حالاتِ زندگی ہمارے لئے مشعلِ راہ اور نمونہ ہے اس وجہ سے یہ تمام باتیں پیشِ خدمت ہیں۔

سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کا جذبہ

نقشِ قدم نبی کے ہیں جنت کے راستے

اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

حضرت کی زندگی میں سنتوں پر عمل بڑا نمایاں تھا، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے جلوت و خلوت الغرض یہ کہ ہر حال میں حضرت کی زندگی کے اعمال و افعال سے یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چاہنے والا ایک امتی ہے جو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی

سنتوں پر عمل کرتا ہوا اپنی منزلِ مقصود یعنی حیاتِ آخرت کی طرف گامزن ہے اور رواں دواں ہے اور اپنی محبوب زندگی سے یہ تأثر دے رہے ہیں کہ کوئی میرا ساتھ دے یا نہ دے میں تو اپنی راہ (راستہ) پر خاموشی سے چلا جارہا ہوں اور اپنے پروردگارِ عالم کے حضور میں حاضری کی تیاری میں ہمہ تن لگا ہوا ہوں۔ مسواک کی پابندی اور نماز باجماعت کی ادائیگی وغیرہ سے لے کر مہمان نوازی، انسانی خدمت، مسلم و غیر مسلم سب کی ضروریات کی فکر، یتیموں اور بیواؤں اور عاجزوں کی خبر گیری، بیماروں کی عیادت اور تیمارداری، طلبہ اور اساتذہ کی دلداری و شفقت تک کون سی سنتِ نبوی تھی جو حضرت کی زندگی میں رچی بسی نہیں تھی اور حضرت کی زندگی کے کسی شعبہ میں مفقود نظر آتی تھی۔ دیکھنے والوں نے خوب دیکھا اور جانچنے والوں نے خوب جانچا کہ حضرت والاؒ کی زندگی خاموشی اور سکوت کے ساتھ منزلِ آخرت کی طرف رواں دواں ہے اور اپنے محبوب ﷺ کی ہر ہر سنت پر عمل پیرا ہیں اور گویا حضرت کی زندگی کا سکوت اور خاموشی ہمیں یہ تعلیم دے رہی ہے کہ تم بھی آقائے نامدار محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنتوں پر عمل کرتے ہوئے اور اس راہ میں کسی کی بات کی پرواہ کئے بغیر اپنی دنیا اور آخرت دونوں سنوار لو اور دونوں جہان میں کامیاب ہو جاؤ۔

گویا سبق ہے مولانا اسماعیل کی زندگی
کرتے تھے لمحہ لمحہ جو سنت کا اہتمام

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اپنے اسلاف و اکابر کی طرح حضور ﷺ کی تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہماری زندگیوں کو بھی سنتوں والی زندگی بنائیں (آمین)

توکل علی اللہ

”یا اللہ! میں نے میرے لئے کبھی نہیں مانگا لہٰذا مدرسہ کے لئے بھی نہیں مانگوں

گا‘‘ ایک مرتبہ حضرت ناناجانؒ نے اپنی ابتدائی زندگی کے عجیب وغریب حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ بیٹا! ایسی عسرت اور تنگی کے زمانہ میں بھی میں نے اپنے لئے کسی سے کوئی چیز نہیں مانگی اور یہ شکوہ وشکایت میں نے کسی سے نہیں کی پھر جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اہتمام (جامعہ حسینیہ راندیر) کی عظیم ذمہ داری سپرد کی تو پہلے ہی دن جب میں صلوٰۃِ تہجد سے فارغ ہوا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر سب سے پہلی دعا جو میں نے اللہ سے کی وہ یہی کی کہ یا اللہ تو میرے حال سے بخوبی واقف ہے اور تو جانتا ہے کہ میں نے اپنی ضرورت کے سلسلے میں کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا ہے بلکہ تو نے جو دیا اسی پر رضامند رہا ہوں اور تجھ ہی سے مانگتا رہا ہوں تیرے کسی بندے سے میں نے اپنے لئے کوئی چیز کو مانگنا گوارہ ہی نہیں کیا ہے، تو یا اللہ! یہ عظیم اہتمام کی ذمہ داری جو تو نے سپرد کی یہ تو تیرا اور تیرے نبی والا ہی کام ہے لہٰذا تیرے کاموں کے لئے آسانی بھی تو ہی فرماتے رہنا اور آسانی تو تو ہی کرسکتا ہے لہٰذا اس کام کا کرنا میرے لئے بھی آسان فرما دینا، یا اللہ! جہاں تک تو پیسہ دیتا رہے گا وہاں تک میں بھی اس مدرسہ کو چلاتا رہوں گا اور جس دن تو پیسہ دینا بند کردے گا تو میں بھی اس دن سے اس کام سے دست بردار ہو جاؤں گا اور مدرسہ کو چھوڑ دوں گا اس لئے کہ یا اللہ! جب میں نے اپنے لئے تیرے کسی بندے سے نہیں مانگا تو میں کبھی مدرسہ کے لئے بھی کسی سے نہیں مانگوں گا اس لئے کہ یہ تو تیرا ہی کام ہے تو ہی اس کو چلاتے رہنا اور انتظامات اور ضروریات کو بھی پوری فرماتے رہنا۔ یہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعائیہ عہد کیا تھا تو حضرت ناناجانؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے میری اس دعا اور عہد کو ایسا سنا ایسا سنا اور ایسا قبول فرمایا کہ مجھے کبھی بھی کسی سے مدرسہ کے سلسلے میں بھی مانگنے کی نوبت تک نہیں آئی، جب ضرورت ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا پہلے ہی سے غیبی انتظام فرما دیتے تھے۔
یہ حضرت ناناجانؒ کا اللہ تعالیٰ کے یہاں مستجاب الدعوات ہونا اور اخلاص وللّٰہیت اور

تواضع وانکساری ہونے کی سب سے بڑی علامت ہے جو ہمارے لئے قابل اور باعث عبرت ہےاور خصوصاً اس راہ کے سواروں کے لئے بطور نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی ان صفات کا ہمیں بھی حامل بنائے آمین۔

اپنا ذاتی ایک تہائی مال اللہ کی راہ میں نکالنا

حضرت والا نانا جانؒ کے پاس اپنا ذاتی ایک کھیت تھا جس میں کھیتی بھی ہوتی تھی جس کو نانا جانؒ نے کافی سالوں پہلے ۲۸ یا ۳۰ ہزار میں خریدا تھا لیکن آخری زندگی میں حضرت نانا جانؒ نے اس کھیت کو فروخت کر دیا اور فروخت کرنے کے بعد جب پتہ چلا کہ اس کو فروخت کرنے میں اتنا نفع ہے تو فوراً حضرت نانا جانؒ نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس میں سے ایک تہائی اپنا ذاتی مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں لِلّٰہ خرچ کرنے کی نیت کرلی اور اس ایک تہائی مال میں سے تقریباً نصف سے زائد مال اللہ کی راہ میں مساجد، مدارس، مکاتب اور کنویں، بورنگ، ٹنکی، غرباء، فقراء اور مساکین کی امداد وغیرہ کاموں میں اپنی حیات ہی میں اپنے ہاتھوں سے خوشی خوشی خرچ کر دیا اور جو مال حضرت نانا جانؒ کے انتقال کی وجہ سے دینے کا رہ گیا اس کو حضرت نانا جانؒ نے اپنی حیات میں وراثت کے لئے بھی اور اس مال کو کہاں صرف کرنا اس کے لئے بھی میرے والد ماجد حضرت مفتی یعقوب اشرف صاحب کو اپنا نائب اور وصیت نامہ کا مکمل ذمہ دار بنایا تھا اور فرمایا کہ چلو جانے کے دنوں میں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ایک نیک راہ کھول دی کہ واپس مجھے اللہ کی راہ میں بواسطے رضائے الٰہی دینے کا اور دین کی خدمت کرنے کا اور آخرت میں نجات پانے کا حسین ذریعہ مل گیا۔ اور پھر اس کے چند دن بعد ہی حضرت نانا جانؒ کا انتقال ہو گیا اور آپ دارِ فانی سے دارِ باقی کی طرف روانہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات جلیلہ اور اخلاص عظیمہ کو قبول فرمائے اور آخرت میں اپنی شایانِ شان بدلہ نصیب فرمائے، آمین۔

فکرِ آخرت، تقویٰ اور شانِ استغنیٰ

فکرِ آخرت اور تقویٰ انسان کی وہ بنیادی صفات ہیں اور وہ لوازماتِ زندگی میں سے ہے جو انسان سے بڑے سے بڑا اور مشکل سے مشکل کام کروا لیتی ہے اور گویا فکر آخرت اور تقویٰ انسانی زندگی کا وہ احساس ہے اور وہ لگن اور وہ دھن ہے جو اس کو اس کی دنیوی زندگی کی ذمہ داریوں کی طرف بھی متوجہ کر دیتی ہے اور حیاتِ برزخ یعنی آخرت کی زندگی کے اعمال اور افعال کی طرف بھی ہمہ تن متوجہ کر دیتی ہے اور گویا انسان فکرِ آخرت اور تقویٰ کے نتیجہ میں اپنی دنیا بھی سنوار لیتا ہے اور اس کی آخرت بھی سنور جاتی ہے۔ حضرت والاؒ کی زندگی میں بھی یہ صفات صاف صاف نظر آ رہی تھی اور یہی وہ خاص صفت تھی اور وہ مین پاور تھا جو حضرت والاؒ کو ہر وقت اور ہر لمحہ مصروفِ عمل اور پیہم رواں دواں اور مشغول رکھتا تھا۔ اور یہی آخرت کی فکر اور تقویٰ انسان کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیتا ہے اور اس کو اوامر پر چلاتا ہے اور نواہی سے بچاتا ہے اور خصوصاً شانِ استغنیٰ پیدا کرنے میں ان کا ہی دخل ہوتا ہے۔ حضرت والاؒ کے متعلق شانِ استغنیٰ کا واقعہ بطور نمونہ کے ملاحظہ ہو کہ حضرت والاؒ کی شانِ استغنیٰ کیا تھی۔ ایک یا دو آدمی کو میں (راقم الحروف) نے خود دیکھا اور حضرت والاؒ سے سنا بھی ہے کہ کچھ آدمی نے سفارشی طور پر آ کر حضرت والاؒ سے خوب اصرار کیا اور مؤدبانہ درخواست کی کہ حضرت آپ کو سفر میں آنا جانا ہوتا رہتا ہے اور آپ کو کار کی ضرورت رہتی ہے تو وہ فلاں آدمی نے ہم کو سفارشی طور پر بھیجا ہے کہ وہ آپ کو کار خرید کر دینا چاہتا ہے تو آپ اس کو قبول فرما لیں، تو حضرت والاؒ نے جواب دیا کہ بھائی ان کو (یعنی کار دلوانے کے لئے آپ کو جس نے کہنے کے لئے بھیجا ہے اس کو) بولنا کہ مجھے فی الحال کار کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ایسا فرما کر ہمیشہ اسے حسنِ اسلوب سے ٹال دیتے اور فرماتے تھے کہ آپ نے جو کار دلوانے کے لئے کہا آپ کا بہت بہت شکریہ ورنہ جب مجھے سفر میں آنے

جانے کے لئے کار کی ضرورت پڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ انتظام فرما دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ بغیر مانگے میرے لئے کار کا انتظام فرما دیتے ہیں تو میں کیوں خود اپنی ذات کے لئے دوسرے سے ھدیتاً کار لوں ورنہ میرا خدا اگر ناراض ہو جائے گا تو وہ اتنا بھی بند کر دے گا جو مجھے وہ دیتا ہے۔ گویا کہ حضرتِ والا کی شان استغنیٰ کی تشریح اس شعر سے ہوتی ہے:

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکوں کی جھنکاریں
ترے دستِ توکّل میں تھی استغنا کی تلواریں

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت والاؒ کو ایسے کئی لوگوں نے کئی معاملوں میں ایسی درخواستیں بڑی خوشی اور اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہوئے دی لیکن حضرت والاؒ نے کبھی اس کو قبول نہیں فرمایا اور اس معاملہ میں بڑا احتیاط برتا ورنہ اگر حضرت والاؒ چاہتے تو وہ اپنے لئے سب کچھ کر سکتے تھے لیکن حضرت والاؒ دین کا اور قوم کا کام کر کے پھر اپنے لئے کوئی مفاد حاصل کرنا اس کو بہت ہی بُرا اور معیوب سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان کاموں کا بدلہ ہمیں انشاء اللہ آخرت ہی میں ملے گا اور آخرت کا گھر وہی اصل گھر ہے اور وہی ہمارا وطنِ اصلی ہے۔ ایسے تو بہت سے واقعات ہیں لیکن سب کو یہاں بیان کرنا مقصود نہیں ہے صرف ایک واقعہ کو آپ کی خدمت میں عرض کر کے حضرت والاؒ کی زندگی کے ایسے واقعات کو سمجھانا چاہتا ہوں جو بار ہا پیش آئے ہیں تو یہ مذکورہ واقعہ اس کو سمجھنے کے لئے کافی وافی ہے اور جس کو اردو کے اس محاورے میں اس طرح سمجھایا ہے...... از مشتے نمونے خروالے...... خلاصہ یہ کہ ان تمام مذکورہ باتوں سے حضرت والاؒ کی شانِ استغنیٰ اور تقویٰ اور فکرِ آخرت سمجھ میں آتی ہے اور حضرت والاؒ کا اپنی زندگی میں ان معاملات میں بہت ہی احتیاط رہا ہے جس سے اکثر حضرات بخوبی واقف ہیں اور یہی باتیں فکرِ آخرت اور تقویٰ کی ہمیں نشاندہی کرتی ہیں جس کو ہمیں سمجھنے کی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں اور بدگمانی سے ہم کو اللہ تعالیٰ بچائیں آمین۔

غرباء و مساکین سے محبت اور ان کی ہمدردی

حضرت نانا جانؒ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر ایک خاص وصف یہ بھی دیا تھا کہ آپ غرباء و مساکین اور ضرورت مندوں کی اس طرح سے امداد کرتے تھے کہ کسی کو پتہ تک نہیں چلتا تھا اور اکثر دیکھا گیا کہ کسی کو بھی دینا ہوتا تو آپ حتی الامکان بذاتِ خود جاتے اور اپنے ہاتھوں سے ہی اس کو دیتے تھے دوسرے کسی کو بھی تکلیف دینا گوارا نہیں کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے وہاں تک خود کا کام خود کو ہی کرنا چاہئے دوسرے کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہئے، کسی کی محتاجی یہ اچھی چیز نہیں ہے۔ اور آپ یتیموں اور بیواؤں کی بھی خصوصاً ہر طرح سے برابر امداد فرمایا کرتے تھے۔ احقر نے اکثر دیکھا کہ حضرت نانا جانؒ کے پاس بعض فقراء اور مساکین کہ جو کمانے کی بالکل استطاعت نہیں رکھتے تھے ان کے لئے حضرت نانا جانؒ نے ہر ماہ کچھ وظیفہ مقرر ہی فرما دیا تھا اور وہ ہر ماہ کو آتے اور خوشی خوشی وہ وظیفہ حضرت نانا جانؒ سے وصول کرتے اور حضرت نانا جانؒ کے حق میں خوب خوب دعائیں دے کر جاتے۔ اسی طرح جمعہ کے دن بھی برابر فقراء اور غرباء حضرت نانا جانؒ کے مکان پر برابر آ جاتے تھے اور حضرت نانا جانؒ ان کو ہر جمعہ کو کچھ نہ کچھ روپئے عنایت فرماتے۔ اور سال میں ایک یا دو مرتبہ موقع کے لحاظ سے اناج، تیل اور اسی قسم کی کھانے پینے کی ضروری چیزیں بھی غرباء اور مساکین میں برابر تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ اور تقسیم کرنے میں بھی خاص طور سے وہ رشتہ دار جو محتاج ہوتے ان کے یہاں برابر یہ چیزیں پہلے بھیج دیا کرتے تھے اور الاقرب فالاقرب کا بہت ہی خیال فرماتے۔ اور کبھی کبھار کوئی شخص آ کر آپ کو اپنی خاص ضرورت بیان کرتا اور آپ کو صحیح معلوم ہوتا کہ یہ شخص صحیح کہہ رہا ہے تو جو کچھ بھی موجود ہوتا اس سے آنے والے شخص کی امداد فرما دیا کرتے تھے۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ

آنے والے نے غلط بیانی سے کام لیا، حضرت نانا جانؒ جانتے تھے کہ یہ غلط بیانی سے کام لے رہا ہے پھر بھی اس کی امداد فرماتے تھے اور احباب کے سامنے یہ ظاہر فرماتے کہ میں اس کی حالت کو خوب جانتا ہوں لیکن چشم پوشی سے کام لیتا ہوں، ہوسکتا ہے اللہ آخرت میں میرے ساتھ چشم پوشی کا معاملہ فرمائیں۔ غرض یہ کہ ہر آنے والے شخصوں کو اگر وہ صحیح ہوتے تو ان کی کچھ نہ کچھ امداد کر کے خوشی خوشی روانہ فرماتے تھے۔ اور غرباء و مساکین اور فقراء گھر پر آتے اور گھر والے کبھی منع کرتے اور کچھ نہ دیتے تو حضرت نانا جانؒ بہت ہی ناراض ہو جایا کرتے تھے اور فرماتے کہ میرے گھر پر اور میرے دروازے پر آئے ہوئے کسی بھی فقیر اور محتاج کو ایسے ہی خالی ہاتھ مت لوٹا دیا کرو کچھ نہ کچھ جو تم سے ہوسکے وہ اس کو دے دیا کرو کہ بیچارہ مایوس ہو کر خالی ہاتھ نہ جائے۔ تو دیکھئے حضرت نانا جانؒ غرباء، فقراء اور محتاجوں کا بھی کس قدر خیال فرماتے تھے اور کیسی محبت فرماتے تھے کہ دن ہو یا رات کبھی بھی کوئی شخص آ کر دروازہ کھٹکھٹاتا تو آپ کبھی بھی ناراض اور غصہ نہیں ہوتے تھے بلکہ فوراً فرماتے کہ دیکھو بیچارہ کوئی بڑی تکلیف میں ہوگا، دیکھو بہت دور سے آیا ہے اسے نا اُمید کر کے بھیجنا اچھا نہیں ہے جبکہ بیچارہ امید وار بھروسہ لے کر آیا ہے اور اس کی ضرورت کا ہوسکے اتنا خیال فرماتے پھر اس کو روانہ کرتے۔

مہمان نوازی

مہمان نوازی کرنا یہ حضرتؒ کا خاص وصف تھا۔ راقم الحروف نے حضرتؒ کے ساتھ رہتے ہوئے ۲۰ ر سالہ دور میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور میرے اس ۲۰ ر سالہ دور سے پہلے کے متعلق بھی احباب سے سنا گیا کہ مہمان نوازی یہ حضرتؒ کا محبوب ترین عمل رہا ہے۔ کوئی مہمان چھوٹا ہو یا بڑا، قریب کا ہو یا دور کا، مسلم ہو یا غیر مسلم، ملکی ہو یا بیرون ملک کا ہو، مدرسہ کے متعلق کام سے آیا ہو یا خود حضرتؒ کے کام سے آیا ہو اس کو بہت ہی اکرام سے

اور خوشی خوشی رکھتے تھے اور جاتے وقت بھی اس کو خوشی خوشی رخصت فرماتے اور جانے کے لئے سواری کا بندوبست بھی فرماتے۔ (حضرتؒ کا یہ اکرام الضیف کا وصف دیکھ کر نکتہ چینی کرنے والوں نے نکتہ چینیاں بھی کیں اور ستایا بھی کہ یہ تو (حضرتؒ) اپنے مفاد کے لئے مہمان نوازی کرتے ہیں اور بھی بہت سے جملے کسے خواہ وہ خاندان والے ہوں یا باہر کے ہوں، حضرتؒ نے ان کی بات پر کوئی التفات نہیں فرمایا اور کوئی پرواہ کئے بغیر اپنی آخری عمر تک برابر آپ نے اپنے نبی ﷺ والے یہ محبوب عمل (مہمان نوازی) کو کبھی نہیں چھوڑا اور ہمہ تن اس عملِ جمیل میں مصروف رہے)

اور حضرتؒ کا مہمان نوازی میں ایک وصف اور دیکھا گیا کہ اگر کوئی مہمان مدرسہ کے متعلق آتا تو اس کی تو خوب خاطر تواضع فرماتے اور فرماتے: بھائی (راقم الحروف کو کہ) اس سے تو خالص مدرسہ کا مفاد ہے اور میں یہ خاطر تواضع مدرسہ کی وجہ سے کر رہا ہوں میرے لئے نہیں کر رہا ہوں، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں میرا فائدہ ہوتا ہوگا اس لئے میں ان مہمانوں کے پیچھے دوڑ رہا ہوں لیکن مجھے رتی کے برابر بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے اور اس میں تو صرف اور صرف مدرسہ اور دین کا ہی فائدہ ہوتا ہے اور مجھے تو صرف حضور ﷺ کے طریقے پر عمل اور رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے اور یہی اصل چیز ہے جو مجھے آخرت میں انشاء اللہ کام آئے گی۔

اور نیز تعویذ لینے کے لئے تو لوگ اپنے ہی کام سے اور ضرورت کی وجہ سے آتے تھے لیکن پھر بھی حضرتؒ ان کو اپنا وقت دیتے اور تعویذ بھی بنا کر دیتے اور ساتھ ہی ساتھ کوئی نہ کوئی چیز کے ذریعہ خاطر تواضع بھی فرماتے۔ گویا حضرتؒ ہر آنے والے کے ساتھ اپنا محبوب اور قدیم عمل یعنی مہمان نوازی کا ثبوت دیتے تھے۔

اور احقر (راقم الحروف) کو تو حضرتؒ کے ساتھ ۲۰ ر سال یعنی حضرتؒ کے انتقال

تک خصوصاً رات کا سونا اور دن کو بھی آنا جانا ہوتا تھا تو میں نے اس ۲۰ رسال میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ کبھی کوئی شخص رات کو اپنی کوئی پریشانی کی وجہ سے کتنی دیر سے آتا اور حضرتؒ کے دولت خانہ پر آکر دستک دیتا تو حضرتؒ مجھے (راقم الحروف کو) دروازہ کھولنے کا حکم فرماتے اور اس آنے والے کی حاجت پوری فرماتے چاہے کسی لائن سے اس کی حاجت ہو اوراحقر (راقم الحروف) سے فرماتے: بیٹا! ان کے لئے شربت یا چائے بنوا کر لاؤ، اس آدمی کا جو کام ہو اس کو پورا فرما کر اور چائے یا شربت پلا کر بڑی محبت سے رخصت فرماتے۔

اور ہر آنے والے کا اکرام اس آنے والے کی شایانِ شان فرماتے اور اس کے درجہ اور رتبہ کے مطابق اس کی قدر و منزلت فرماتے۔"انزلوا الناس منازلهم۔ الحديث" گویا کہ حضرت والاؒ اس حدیث کا ثبوت پیش فرماتے اور ہر آنے والا مہمان چاہے مدرسہ کے کام سے آیا ہو یا خود حضرت والاؒ کے پاس آیا ہو اس کا خرچ خود حضرت والاؒ اپنی جیب خاص سے فرماتے اور مدرسہ کے متعلق کام کے سلسلہ میں آئے ہوئے مہمان کا خرچ بھی اپنی ہی طرف سے کرتے تھے، کبھی بھی اس کا بوجھ مدرسہ پر نہیں ڈالتے تھے بلکہ اپنے پیسوں میں کچھ رقم ضرور متعین فرما کر رکھتے جو آنے والے مہمانوں کی ضیافت میں استعمال فرماتے۔ اور اپنے اس کئے ہوئے کام پر بہت خوش ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اتنی خدمت بھی لیتا ہے تو میں اس کو غنیمت سمجھتا ہوں ورنہ میں کہاں اس کے لائق ہوں۔ خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ حضرتؒ کا مہمانوں کا اکرام کرنا اور مہمان نوازی کرنا یہ صرف اور صرف طریقۂ سنتِ نبوی ﷺ اور محبتِ رسول ﷺ کی وجہ سے تھا اپنا کوئی بھی مفاد کبھی بھی اور کسی وقت بھی اور کسی معاملہ میں بھی مدِ نظر نہیں رہا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بزرگانِ دین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے نظریات کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حضرت والاؒ کا حسنِ سلوک

حضرت نانا جانؒ اپنے چھوٹوں، ماتحتوں کے ساتھ نہایت ہی شفقت ورحمت کے ساتھ پیش آتے بلکہ جانداروں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرتے تھے۔ حضرت والا نانا جانؒ کا معمول تھا کہ صبح بعد الفجر آپ کے یہاں جو مرغیاں پلی ہوئی تھیں ان کو آپ بذاتِ خود دانہ پانی ڈالتے تھے اور بعض مرتبہ ضرورت ہوتی تو ان کے پنجرے کو بھی خود صاف کر دیتے تھے، اس میں کسی قسم کی شرم محسوس نہیں کرتے تھے، یہ آپ کا جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ تھا۔ اور آپ کا انسانوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ تو عجیب تھا اس لئے کہ انسان تو اشرف المخلوقات ہے، چند آدمیوں نے خواہ وہ خاندان کے ہوں یا غیر خاندان کے آپ کو بہت ستایا اور ایذاء رسانی کی کوشش کی لیکن آپ نے کبھی کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا اور انتقام لینے کا سوچا بھی نہیں بلکہ ہمیشہ ان کو بار بار معاف فرماتے رہے اور اپنے حسنِ سلوک کا بہترین ثبوت دیتے رہے اور فرماتے کہ بھائی نیکی کرو اور پانی میں ڈالو یعنی کہ ہم کسی کا کتنا ہی اچھا کریں گے اور نیکی کے ساتھ پیش آئیں گے لیکن وہ ہمارا بُرا ہی سوچے گا اور بُری طرح سے ہی پیش آئے گا اور جو ہم کسی کے ساتھ اچھا کرتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ برائی کا معاملہ کرتا ہے تو کچھ بھی نہیں صبر سے اور ضبط سے کام لینا چاہئے اس لئے کہ ہم کو ہماری نیکی کا اور اچھائی کا بدلہ دنیا میں تو نہ سہی لیکن آخرت میں تو اللہ تعالیٰ کے پاس ملنا ہی ملنا ہے، اور وہیں کا بدلہ ہمیں مقصود بھی ہے ورنہ یہ تو دنیا ہے اس میں تو انسان کسی کا کتنا ہی اچھا اور بڑا کام کردے پھر بھی اس کو یہاں دنیا میں تو ”جس کی جگہ جوتا ہی ملتا ہے“ اس کے احسان کا بدلہ تو اس کو اللہ تعالیٰ آخرت میں ہی دیں گے۔ یہی سب باتیں حضرت نانا جانؒ کے مدِّنظر رہتی تھیں اور آپ اپنے چھوٹوں کے ساتھ بڑی اچھی طرح سے پیش آتے تھے اور گویا آپ احسان وسلوک کا بلند اور نمایاں ثبوت پیش کرتے تھے۔

حُسنِ اخلاق

حضرت نانا جانؒ کی ذات عالی اخلاقِ حمیدہ وحسنہ سے متصف تھی اور آپ کے اندر اللہ تعالیٰ نے وہ اخلاق ودیعت کیے ہوئے تھے جو ایک عالم باعمل، قوم کے صحیح رہنما اور عظیم مربی ومحسن کے اندر پائے جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ تمام صفات عالیہ واخلاق عظیمہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا۔ آپ کے اوصافِ محمودہ میں اخلاص ولِلّٰہیت، تواضع و انکساری، شرم وحیا، زہد وقناعت، جود وسخا، ایثار وقربانی، اپنے بڑوں کی تعظیم اور اپنے چھوٹوں سے محبت، حسنِ خلق، مہمان نوازی، استقامت عمل، حسن معاملہ، کفایت شعاری، ہمدردی، صبر وتحمل، سنجیدگی، بلند کرداری، سنّت کی تابعداری، بے تکلفی وسادگی، دوسروں پر حد درجہ رحم، کسی کو بھی معاف کرنے کا عظیم جذبہ وغیرہ یہ مذکورہ تمام اوصاف واخلاق حضرت نانا جانؒ کی ذات اقدس میں خاص طور سے نظر آتے تھے جو ہمارے لئے قابل تقلید اور اُسوہ ہے اور حضرت نانا جانؒ کی عملی سیرت ہے جن سے حق تعالیٰ نے آپ کو آراستہ فرمایا تھا۔

لیس علی اللّٰہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحدٍ

حضرت والاؒ کی طبیعت میں وصفِ استقلال

حضرت نانا جانؒ کی طبیعت میں استقلال حد درجہ تھا، جہاں کہیں بھی آپ نے خدمات کیں وہاں عرصۂ دراز گزار دیا، ایک ہی مسجد میں امامت وخطابت تقریباً ۴۵ یا ۴۶ سال یعنی پوری زندگی کی اور ایک ہی جگہ اپنے خاندانی بزرگوں کی یادگار یعنی مدرسہ جامعہ حسینیہ راندیر میں تدریس، نظامت، اہتمام وغیرہ ہر طرح کی خدمات کرنے میں تقریباً ۶۱ سال تک یعنی پوری زندگی اخلاص ولِلّٰہیت کے ساتھ خدمات انجام دیتے ہوئے کھپادی جو واقعی ناقابل فراموش اور غیر معمولی ہے۔ اور ایک ہی مکان میں رہتے ہوئے حضرت

ناناجانؒ نے اپنی پوری زندگی کو بسر کردی کبھی بھی مکان کونہیں بدلا، اتنے لمبے عرصے مدرسہ کی ذمہ داری کے دوران کبھی بھی کسی کی زبان پر حرف شکایت تک نہ آنے دیا۔ حضرت ناناجانؒ کی ذات اقدس استقلال وثابت قدمی کا پہاڑتھی اور گویا ہمارے لئے ایک عظیم نمونہ تھی۔ ہر چیز میں حضرت ناناجانؒ نے استقلال کو اپنایا حتی کہ اپنے ذاتی معاملہ میں بھی یہی طریقہ رہا کہ بازار میں ایک مرتبہ دہی، دودھ، گوشت، سبزی، سودا یا کوئی بھی چیز جس دکان سے لی تو پھر زندگی بھر اسی کے پاس سے ہی لیتے رہے اور جس نائی (حجام) کے پاس ایک مرتبہ بال بنوائے تو پھر زندگی بھر اسی سے بنواتے رہے اور اگر وہ نہ رہا تو پھر اس کی ہی اولاد کے پاس بال بنواتے رہے۔ غرض یہ کہ ذاتی معاملہ میں بھی حضرت ناناجانؒ کا یہی حال اور یہی کیفیت رہی جو قابلِ دید تھی اور قابلِ تحسین بھی۔

تعویذات

تعویذات کے سلسلے میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل دسترس اور عظیم ملکہ عطا فرمایا تھا اس لئے کہ آپ کے والد ماجد حضرت حافظ احمد ملاّ صاحبؒ رانڈیر کے معروف و مشہور بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے بڑے زبردست اور مخلص عامل بھی تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے والد ماجد کا کامل پرتو حضرت والا کی ذات اقدس میں ودیعت کیا ہوا تھا۔ اور آپ کو آپ کے والد صاحبؒ کی طرف سے تعویذات کی پوری پوری اجازت تھی جس کو حضرت والاؒ نے کثیر مشغولیتوں کے باوجود اخلاص کے ساتھ کامل طور پر سنبھالا اور خلقِ خدا کو اس طریقے سے بھی کافی فائدہ پہنچایا ہے۔ لوگ آپ کے پاس دعا کروانے کے لئے اور تعویذ لینے کے لئے دور دور سے بہت کثرت سے آتے تھے تو آپ آنے والوں کی خاطر تواضع چائے یا شربت کے ذریعے کرتے اور ان کو بٹھاتے اور اگر ان کے ساتھ بچہ ہوتا تو بچے کو سویٹ دیتے اور اس پر دم بھی فرمادیتے اور آنے والوں کو بھی ان کی پریشانی اور

تکالیف سن کر تعویذ لکھ دیتے کہ بیچارے کا فائدہ ہو جائے گا اور اللہ کے نام کی برکت سے اس کی جو بھی پریشانی اور تکلیف ہوگی وہ دور ہو جائے گی۔ اور اگر آنے والا شخص کچھ پڑھنے کا پوچھتا تو اس کو پڑھنے کا بھی بتلا دیتے اور ہر آنے والے لوگوں کو ان کی ان مذکورہ ضروریات کے مطابق خوش کر کے خوشی خوشی روانہ فرماتے تو ہر آنے والا یہ ہی سمجھتا کہ حضرت والاؒ کو مجھ سے بہت محبت ہے اور حضرت والاؒ سے میری بہت پہچان ہے۔ حضرت نانا جانؒ کا تعویذ بہت ہی مؤثر اور مفید ہوا کرتا تھا۔ میں نے خود اپنے ۲۰ رسالہ قیام میں حضرت نانا جانؒ کے یہاں کئی بار بذات خود دیکھا بھی اور آنے والے لوگوں سے چاہے وہ عالم ہوں بکثرت سنا بھی کہ حضرت والاؒ کے تعویذ میں اللہ تعالیٰ نے شفاء رکھی ہے۔ حضرت نانا جانؒ کی کرم فرمائی اور احسان تھا کہ مجھے ایک مرتبہ میرے کہنے پر تعویذ کی اجازت تحریری طور پر لکھ کر عنایت فرمائی اور فرمایا کہ بھائی میں نے تیرے سوا کسی کو بھی اپنے تعویذات اور وظائف کو تحریری طور پر لکھ کر نہیں دیا ہے یہ صرف اور صرف تجھے دے رہا ہوں تو اس کو ابھی کام میں نہ لانا بلکہ ایک عمر ہونے کے بعد اس کو کرنا ورنہ لوگ ابھی سے باپو بن جاتے ہیں یہ بہت ہی غلط بات ہے۔ یہ حضرت نانا جانؒ کی احقر سے انتہائی محبت کی دلیل ہے۔

میں کیا اور میری زندگی کیا؟

بارہا احقر نے حضرت نانا جانؒ سے آخری زندگی میں عرض کیا کہ آپ مجھے کچھ اپنی زندگی کے حالات اپنی زبانی لکھوائیں تو حضرت نانا جانؒ نے فرمایا: بیٹا! میں کیا اور میری زندگی کیا، میں کوئی تھوڑے بڑا آدمی ہوں یا میری زندگی کچھ ایسی زندگی تھوڑی ہے کہ جس کو میں سوانح کے طور پر لکھواؤں، سوانح اور زندگی تو حضرات اکابر و اسلاف امت کی لکھی جاتی ہے کہ جس کو پڑھ کر لوگ اپنی زندگیوں کو ایسی سنوارنے کی کوشش کریں اور ان کی زندگیاں تو لوگوں کے لئے بطور نمونہ اور توشہ ہوتی ہیں اور میں تو اس سے کورا ہوں اور ان اکابر و

اسلاف کا ادنیٰ سے خادم کی طرح ہوں، میری زندگی تو کچھ لکھنے کی چیز ہے؟ بار ہا ایسا فرما کر حضرت نانا جانؒ اس زندگی لکھوانے کی بات کو ہمیشہ ٹال دیتے تھے۔ یہ سب باتیں ان کی تواضع وانکساری کی وجہ سے تھی ورنہ حضرت نانا جانؒ کی زندگی ہمارے لئے ایک مثالی حیثیت رکھتی ہے اور حضرت نانا جانؒ اپنے اکابر واسلاف کی یادگار تھے۔ آپ کی خدماتِ قومی وملّی وفکری، اخلاق و عادات، تقویٰ وطہارت، معاملات و معاشرت، عبادت و ریاضت، غرباء ومساکین سے محبت، ہر جگہ مدارس ومکاتب ومساجد کی دھن اور فکر وغیرہ، غرض یہ کہ ساری چیزیں ایسی ہیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں اور حضرت نانا جانؒ کی زندگی کا خلاصہ ہے۔ اور یہ زندگی کے حالات جو حضرت نانا جانؒ کے متعلق احقر نے قلمبند کئے ہیں یہ حضرت نانا جانؒ سے بار ہا موقع بہ موقع متفرق طریقے پر پوچھی ہوئی باتیں ہیں یا جو ان کے پاس رات اور دن کی زندگی میں بالکل قریب رہ کر ان کو دیکھنے کا موقع ملا یہ اس کا خلاصہ اور لب لباب ہے ورنہ حضرت نانا جانؒ نے اپنی طرف سے کبھی بھی کسی کو باقاعدہ زندگی کے حالات نہیں بتلائے ہیں۔

آخری عمر میں حضرت والاؒ کفن کی تھیلی ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے

ایک مرتبہ احقر نے حضرت نانا جانؒ سے دریافت کیا کہ آپ ہمیشہ کفن کی تھیلی اپنے ساتھ کیوں رکھتے ہیں؟ یہ بات میں نے اس لئے پوچھی کہ میں نے بار ہا حضرت نانا جانؒ کو سفر پر جاتے ہوئے دیکھتا تھا چاہے وہ ملکی سفر پر جا رہے ہوں یا بیرون ممالک کے سفر پر روانہ ہو رہے ہوں یا پھر زیارت حرمین شریفین کے لئے جا رہے ہوں ہمیشہ پہلے بیگ میں اپنی کفن کی تھیلی رکھواتے تھے اور اس کی پہلے فکر کرتے تھے تو میرے پوچھنے پر ایک بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ بھائی نہ معلوم موت کہاں اور کس وقت آجائے کسی کو پتہ نہیں اس لئے

موت سے پہلے موت کی ہر طرح کی تیاری ہونی چاہئے کہ کسی کو زیادہ تکلیف نہ ہو، اور دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ میرے شیخ اوّل حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کا یہ طریقہ تھا کہ ہمیشہ کفن کی تھیلی اپنے ساتھ لے کر چلتے تھے جہاں کہیں بھی جانا ہوتا تھا تو میں خود تو پوری زندگی میرے شیخ حضرت مدنیؒ کی اس بات پر عمل نہیں کر سکا لیکن اب جو کچھ بھی زندگی باقی ہے اس میں تو اس بات کی رعایت کرلوں اور شیخ کا اتباع کرتے ہوئے اس پر عمل کرلوں، ان دو وجہوں سے میں اپنے ساتھ کفن کی تھیلی ہمیشہ اپنے بیگ میں لے کر چلتا ہوں۔

خوابات

چند مرتبہ احقر نے حضرت نانا جانؒ کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ آپ کے خواب کے متعلق مجھے کچھ بتلائیں کہ آپ کو اپنی زندگی میں کیا کیا اور کیسے کیسے خواب آئے ہیں تو ہر بار حضرت نانا جانؒ نے احقر کے پوچھنے پر آخری عمر تک یہی جواب عنایت فرماتے رہے کہ بیٹا مجھے نہ معلوم میری زندگی میں کبھی بھی کوئی خواب ہی نہیں آیا، اچھا خواب بھی نہیں آیا اور برا خواب بھی کبھی نہیں آیا تو میں تجھے خوابوں کے متعلق کچھ بھی نہیں بتا سکتا۔

حضرت نانا جانؒ کی معیّت میں سب سے آخری یادگار سفر احمد آباد

احقر کی یہ خوش قسمتی ہے کہ حضرت نانا جانؒ کی خدمت کا حسین موقع حضر میں تو الحمدللہ اکثر احقر ہی کے نصیب میں رہا لیکن حضرت نانا جانؒ کی بے انتہاء شفقتوں اور محبتوں نے یہ خدمت کا سلسلہ صرف اور صرف حضر تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ یہ ذرہ نوازی ہوئی کہ احقر کی عمر میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت نانا جانؒ دور دراز کے اسفار میں بھی احقر کو اکثر لے جانے لگے اور خدمت کا بہترین موقع بڑی خوشی سے عنایت فرماتے رہے۔ اور فرماتے تھے کہ بیٹا تو میرے ساتھ سفر میں ہوتا ہے تو مجھے بہت ہی سکون اور چین رہتا ہے اور

سفر کی تیاری کی فکر بھی کم رہتی ہے۔ یہ محبت آمیز جملے اس وجہ سے حضرت نانا جانؒ فرماتے تھے کہ ایک تو احقر حضرت نانا جانؒ کی تمام اولاد میں صرف اکلوتا اور چہیتا نواسہ ہونے کی حیثیت رکھتا تھا اور دوسری وجہ یہ کہ حضرت نانا جانؒ کے ساتھ اس وقت سے جبکہ میری عمر ۵ مہینہ کی تھی تب سے لے کر حضرت نانا جانؒ کی وفات تک یعنی تقریباً ۲۰ سال کا ہوا تب تک رہا اور یہ رہنا کچھ اس طرح سے ہوا کہ رات کو ہمیشہ حضرت نانا جانؒ کے یہاں سونے کا معمول تھا اور پھر صبح کو اور دن کے مختلف اوقات میں خصوصاً شام کو بھی اکثر و بیشتر حضرت نانا جانؒ کی خدمت اور صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا۔ اس لئے مجھے حضرت نانا جانؒ کی سفر وحضر ہر جگہ کی خدمت کا اندازہ اور ہر اشیاء کی اس کے وقت میں ضرورت یہ تمام باتیں الحمدللہ معلوم رہتی تھیں اور احقر جانتا تھا کہ حضرت نانا جانؒ کو کون سے وقت میں کون سی جگہ کس چیز کی ضرورت رہتی ہے۔ اس کو میں حضرت نانا جانؒ کے مزاج کے مطابق پہلے ہی سے ان کی مرضی کے مطابق تیار رکھتا تھا اس لئے بہت خوش ہوتے تھے اور دعا دے کر ہمیشہ سفر وحضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ حضرت نانا جانؒ کا اپنی زندگی کا سب سے آخری سفر جو ہم نے حضرت نانا جانؒ کی معیّت میں کیا وہ احمد آباد کا تھا جو حضرت نانا جانؒ کے انتقال سے چند ہی مہینے پہلے ہوا اور اس میں آپ نے مخلص محنتوں کی زبردست یادگار اور قرۃ عین یعنی جامعہ حسینیہ راندیر کی آپ کی قائم کردہ شاخ مدرسہ جامعہ اسلامیہ سرخیز احمد آباد کے معائنہ اور اس کی ضرورتوں کے پیش نظر تشریف لے گئے اور اپنے مفید مشوروں سے اور اپنی آخری یادگار توجہ سے اسے نوازا۔ کیا معلوم تھا کہ یہ سفر حضرت نانا جانؒ کی معیّت میں سب سے آخری سفر ہے۔ اس کے بعد پھر حضرت نانا جانؒ بہت ہی جلد ہم سے جدا ہو کر اپنے سفر حقیقی یعنی آخرت کی طرف سفر کے لئے تن تنہا روانہ ہو گئے اور افسوس کہ ہم ہمیشہ کیلئے حضرت نانا جانؒ کی خدمت و محبت اور پند و نصائح سے محروم ہو گئے۔

احقر کو حضرت نانا جانؒ کی تین خصوصی وصیتیں

ایک مرتبہ احقر کو حضرت نانا جانؒ نے بلایا اور پھر اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کہ دیکھ میں تجھ کو تین وصیتیں کرتا ہوں اس کو میرے انتقال کے بعد تمام کے سامنے کہہ دینا (ایک دم اخیری زندگی میں پھر حضرت نانا جانؒ نے ان میں سے کچھ باتیں میرے علاوہ گھر کے اور کچھ افراد کو بھی سنادی تھیں اور فرمایا تھا کہ میں نے یہی باتیں میرے نواسے احمد کو بھی کہہ دی ہیں اور اس کے علاوہ کچھ باتیں اور بھی کہی ہیں جو وہ تم کو میرے انتقال کے بعد کہے گا) اور یہ کہہ کر کہنا کہ یہ میری (یعنی حضرت نانا جانؒ کی) طرف سے وصیتیں ہیں۔ان میں سے پہلی وصیت آپ کو دفن کہاں کرنا تھا اس کے متعلق تھی جس کو میں بالتفصیل آگے (حضرت نانا جانؒ کی وفات کی خواہش مدینہ میں لیکن راندیر میں حضرت نانا جانؒ کی آخری آرامگاہ) اس مضمون کے تحت لکھ چکا ہوں جس کو اب یہاں دوبارہ نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے اب یہاں سے حضرت نانا جانؒ کی دوسرے نمبر کی وصیّت کو بیان کیا جارہا ہے۔حضرت نانا جانؒ نے دوسری خاص وصیّت یہ فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد کوئی نامحرم عورت میرا چہرہ نہ دیکھے اس کا خاص خیال رکھا جائے، چنانچہ الحمد للہ حضرت نانا جانؒ کے انتقال کے بعد آپ کی اس وصیت پر بھی عمل کیا گیا اور کسی نامحرم عورت نے آپ کا چہرہ نہیں دیکھا۔اور تیسری وصیت یہ کی تھی کہ میرے انتقال کے بعد مجھے تین چار گھنٹے کے اندر اندر ہی میں دفن کردیا جائے، کسی کے بھی آنے کا انتظار نہ کیا جائے اور جلد سے جلد ہی مجھے میری منزل تک پہنچادیا جائے۔لیکن افسوس کہ نانا جانؒ کی اس تیسری وصیّت پر شدید مجبوری کی وجہ سے عمل نہ ہوسکا اس لئے کہ ایک بات تو یہ کہ آپ کا انتقال بوقت مغرب ہوا اور پھر وہ بھی راندیر کی تاریخ میں جو سب سے بڑا سیلاب ۲۰۰۶ء میں آیا اس کے پانی اترنے کے دوسرے ہی دن آپ کے انتقال کا عظیم حادثہ پیش آیا اور جب آپ کی وفات کا واقعہ پیش آیا اس وقت ابھی

بھی کچھ پانی اور زیادہ مقدار میں کیچڑ موجود تھا جس کی وجہ سے قبر کھودنا بھی کار دارد تھا، لہٰذا کسی بھی طرح آپ کی اس وصیت پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں تھا تو اشدّ مجبوری کی وجہ سے آپ کی اس وصیت پر عمل نہ ہو سکا اور اس کو ترک کر دیا گیا۔

تالیفات

حضرت نانا جانؒ نے وقت کی آواز اور پکار کو دھیان میں لے کر اور بروقت امت کی رہنمائی کے لئے بار بار آپ نے گجراتی اور اردو زبان میں کتابیں اور پمفلٹ جامعہ حسینیہ راندیر سے شائع کروائے اور آپ کی زندگی کی ایک اہم تالیف اردو زبان میں بنام خطبات جمعہ آپ نے جامعہ حسینیہ سے اس کو شائع کیا اور اس کتاب میں ان خطبات کو جمع فرمایا جو کہ آپ بحیثیت خطیب ہونے کے اپنی امامت کی قدیم جگہ (تائی واڑہ جمعہ مسجد، راندیر) میں ہمیشہ سے دیتے رہے تھے اور یہ خطبات جو کہ دراصل ماہر الفقہ، مشہور زمان ادیب حضرت مولانا ابی الحسنات محمد عبدالحی رحمہ اللہ القوی لکھنوی کے تھے لیکن آپؒ نے اس کو طوالت کی بناء پر قاری اور سامع دونوں کے لئے باعث اکتاہٹ سمجھا تو اس لئے پھر آپ نے طویل محنت اور بڑی عرق ریزی کے بعد تلخیص کر کے آسان انداز میں عیدین، خطبۂ نکاح کے مختصر ضروری مسائل کے ساتھ دوبارہ جامعہ حسینیہ راندیر سے شائع فرمایا جو بہت ہی مفید اور جامع ہے۔

اخیری عمر تک حضرت نانا جانؒ صحت وعافیت کے ساتھ رہے

حضرت نانا جانؒ کو اللہ تعالیٰ نے صحت وعافیت سے خوب خوب نوازا تھا اور آپ کی صحت وعافیت اخیری عمر تک بہت ہی بہتر رہی۔ آپ کی عمر مبارک تقریباً ۸۴ یا ۸۵ سال کی ہوئی پھر بھی آپ کو نہ شگر (Diabetese) نہ ہارڈ (Heart) نہ قوتِ سماعت میں

کوئی فرق نہ آواز میں کوئی فرق، غرض یہ کہ کسی قسم کی کوئی خاص بیماری آپ کو اتنی طویل عمر کے باوجود لاحق نہیں ہوئی تھی۔ ہاں صرف اتنا کہ آپ کو بدن کے بھاری ہونے کی وجہ سے گھٹنوں کا درد رہتا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت نانا جانؒ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمیشہ دعا بھی فرماتے اور شکریہ بھی ادا کرتے رہتے کہ یا اللہ! اتنی عمر ہونے کے باوجود مجھے کوئی خاص بیماری اور کوئی شکایت نہیں ہے بس یہ تیرا ہی فضل ہے مجھ گنہگار پر، لہٰذا یا اللہ! میری باقی زندگی میں بھی تو تمام بیماریوں سے حفاظت فرماتے رہنا۔ اور پھر مجھے مخاطب کر کے فرماتے کہ بھائی! ''ایک تندرستی ہزار نعمت'' یہ مقولہ بہت ہی مشہور ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو تندرستی اور صحت وعافیت سے نوازا ہوا ہوتا ہے تو دنیا کی ہزار نعمتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں لہٰذا اس کی قدر ہونی چاہئے۔

ایک مرتبہ میرا حضرت نانا جانؒ کے ساتھ ایک ہسپتال کے افتتاح کے موقع پر جانا ہوا تو وہاں حضرت نانا جانؒ کے دست مبارک سے افتتاح ہوا اور حضرت نانا جانؒ کو دعا فرمانے کے بعد اس ہسپتال کو دکھانے کے لئے اندر لے گئے، وہاں ہر جگہ الگ الگ سب مشینیں بھی لگی ہوئی تھیں۔ جب ہارڈ (دل) کا مشین آیا تو ڈاکٹر نے کہا کہ حضرت اس مشین کا افتتاح آپ کے ہارڈ کو چیک کر کے کر لیتے ہیں تو حضرت نانا جانؒ اس مشین پر کھڑے ہو گئے، پھر ڈاکٹر نے چیک کرنے کے بعد بتایا کہ آپ کا ہارڈ تو ۸۱ سال کی عمر میں بھی ایسا ہے جیسا کہ بالکل نوجوان آدمی کا ہارڈ اس کی جوانی میں ہوتا ہے، ایسا ہارڈ میں نے اتنی بڑی عمر والوں میں کسی آدمی کا بھی نہیں دیکھا جیسا کہ آپ کا ہے، مجھے بہت ہی تعجب ہو رہا ہے۔ ایک مرتبہ آپ کو پیر میں درد ہو رہا تھا جبکہ آپ کی عمر ۷۵ یا ۷۶ سال کی تھی تو آپ نے سورت میں ایک پیر کے ڈاکٹر کو دکھایا تو اس ڈاکٹر نے چیک کرنے کے بعد تعجب کرتے ہوئے کہا کہ مولانا آپ کے پیر میں کوئی تکلیف نہیں ہے یہ تو صرف جسم کے بھاری ہونے

کی وجہ سے تکلیف ہورہی ہے ورنہ آپ کی طرح ۷۵ یا ۷۶ سال کی عمر والے آدمی کا پیر میں نے میری سروس میں کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ اتنا اچھا ہو۔ پھر ڈاکٹر نے کہا: مولانا آپ کا پیر تو اتنی بڑی عمر میں سونے کی لنگڑی کی طرح ہے ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے اللہ جس کو چاہتے ہیں اس کو ان تمام نعمتوں سے نوازتے ہیں۔

بعدِ دفن ایک اونٹ ذبح ہو کر تقسیم ہو جائے وہاں تک پڑھنے کی احقر کو وصیّت

حضرت نانا جانؒ کے انتقال سے کچھ سال قبل کی بات ہے کہ ایک مرتبہ احقر حضرت نانا جانؒ سے برزخی زندگی کے متعلق کچھ باتیں سن رہا تھا تو باتوں کے سنانے کے درمیان حضرت نانا جانؒ نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ جب انسان کا انتقال ہو جاتا ہے اور اس کو دفن کر دیا جاتا ہے تو فرشتے اس مرنے والے شخص سے قبر میں سوالات کرتے ہیں، اگر نیک آدمی ہوتا ہے تو وہ سارے سوالات کے جوابات فرفر دے دیتا ہے اور اگر بُرا شخص ہوتا ہے تو وہ سوالات کے جوابات میں یہ کہتا ہے کہ افسوس مجھے معلوم نہیں تو پھر اس کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اللھم احفظنا منہ۔ اس بات کو سنانے کے بعد حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ اسی لئے حدیث شریف میں بھی آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب آدمی کو دفن کر دیا جائے تو پھر مردے کو فوراً وہاں قبر میں اکیلے چھوڑ کر چلے نہ آؤ بلکہ اس کی قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہر کر پڑھتے رہو کہ جتنی مقدار ایک اونٹ کو ذبح کرنے کے بعد اس کے گوشت کو تقسیم کرنے میں لگتی ہے اس لئے کہ ایسا کرنے سے مردے کو سوالوں کے جوابات دینے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اس بات کو سنا کر حضرت نانا جانؒ نے احقر کو وصیّت کی تھی کہ تو بھی چند آدمیوں کو لے کر میرے انتقال کے بعد میری قبر پر کھڑے ہو کر اتنی دیر پڑھنا کہ جتنی دیر

ایک اونٹ کو ذبح کیے جانے اور اس کے گوشت کو تقسیم کرنے میں لگتی ہے۔ اس حدیث پاک پر عمل کرتے ہوئے میں نے حضرت نانا جانؒ کو بارہا دیکھا کہ آپ بھی اس ارشاد پر برابر عمل کرتے تھے اور احقر کو بھی حضرت نانا جانؒ نے جو وصیت کی تھی اس پر احقر نے بھی چند رفقاء کے ساتھ الحمدللہ اس وصیّت پر عمل کیا اور ان رفقاء کو بتلایا کہ یہ بھی حضرت نانا جانؒ کی وصیّت تھی جو حضرت نانا جانؒ نے احقر کے ساتھ محبت کثیرہ وقدیمہ ہونے کے سبب احقر کو کی تھی۔

انتقال سے قبل حضرت نانا جانؒ کے وفات کی جانب چند مخفی اشارے

(۱) ایک مرتبہ انتقال سے کچھ ماہ قبل کھیتی کی زمین فروخت ہونے کے بعد حضرت نانا جانؒ سے گھر کے کچھ چھوٹے بچّوں نے بطور خوشی کے گھر کے بڑے افراد کی موجودگی میں حضرت نانا جانؒ سے کہا کہ اب ہم ایک اچھی جگہ میں ایک بنگلہ خریدیں گے اور پھر کچھ دن یہاں اور کچھ دن وہاں رہیں گے، تو آپ نے فوراً تمام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ نہیں بھئی نہیں اب تو میں نے میری زمین جنت میں خرید لی ہے اور میرا بنگلہ تو وہاں بن کر تیار ہو رہا ہے، عنقریب وہ اسی سال تیار ہو جائے گا اور میں پھر وہاں جا کر انشاء اللہ ہمیشہ کے لئے وہاں کے بنگلے میں آرام سے رہوں گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ چند دن کی دنیا میں بنگلہ خرید کر کیا فائدہ؟ یہاں تو صرف چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات۔ اس بات کے صرف دو ہی ماہ یا اس سے بھی کم وقت گزرا تھا کہ حضرت نانا جانؒ انتقال فرما گئے۔ تو گویا اس میں ایک قسم کا اشارہ تھا اور آپ کو موت کے گویا کچھ نہ کچھ آثار معلوم ہو گئے تھے جس کی بناء پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا اور آپ کا یہ ارشاد حقیقت بن کر ثابت ہوا۔

(۲) ایک مرتبہ احقر نے بھی انتقال سے چند مہینہ قبل حضرت نانا جانؒ سے کہا کہ آپ گھر کے ٹائلس (Tiles) بدلوا لیجیے اس لئے کہ یہ ٹائلس پرانی ہو چکی ہے تو مجھے

حضرت نانا جانؒ نے کہا کہ بیٹا میں تو اب دنیا میں چند مہینے کا مہمان ہوں لہٰذا میرے انتقال کے بعد جو بھی یہاں رہے گا وہ اس ٹائلس کو بدلوائے گا اب میں اس ٹائلس کو نہیں بدلواتا۔

آہ، حضرت نانا جانؒ کی کیا سادہ اور مخلصانہ زندگی تھی۔ غرض یہ کہ پھر ہوا بھی کچھ ایسا ہی کہ حضرت نانا جانؒ کی وفات کا حادثہ راندیر کے سیلاب عظیم ۲۰۰۶ء کے ختم ہونے کے فوراً بعد دوسرے ہی دن پیش آیا اور جس گھر میں گراؤنڈ فلور (Ground Floor) پر حضرت نانا جانؒ نے اپنی پوری زندگی بسر کی اور جہاں کے متعلق میں نے حضرت نانا جانؒ سے ٹائلس بدلوانے کیلئے کہا تھا وہ گراؤنڈ فلور بھی اور اس کی ٹائلس بھی آپ کے انتقال کے فوراً بعد پانی کی شدّت کی وجہ سے خراب ہوگئی اور جو بات میرے کہنے پر حضرت نانا جانؒ نے فرمائی تھی کہ میں تو چند مہینے کا مہمان ہوں بعد میں جو یہاں رہے گا وہ اس ٹائلس کو بدلوائے گا بس یہ آپ کی بات بالکل اسی طریقے سے صادق آئی کہ آپ کا انتقال بھی ہوا اور وہ ٹائلس مع فلور کے بیکار ہوگئی لہٰذا پھر اس فلور کو مع ٹائلس کے بنوایا گیا اس کے بعد وہ رہنے کے قابل ہوا۔ تو دیکھئے حضرت نانا جانؒ کی ارشاد فرمائی ہوئی کتنی باتیں اور اشارات ایسے تھے کہ جو آپ کے انتقال کے بعد بعینہٖ اُسی طریقے سے بالکل حق بن کر ثابت ہوئے۔ آپ کی زندگی میں تو صرف یہ باتیں بطور ارشاد کے سنی تھیں لیکن آپ کے انتقال کے بعد تو آپ کی یہ فرمائی ہوئی باتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور گویا عین الیقین ہوگیا۔

(۳) یہ واقعہ حضرت نانا جانؒ کی زندگی کا جو بالکل آخری رمضان تھا اس وقت کا ہے کہ حضرت نانا جانؒ کی عادت کئی برسوں سے یہ تھی کہ رمضان میں آپ تراویح کے بعد تائی واڑہ جمعہ مسجد ہی میں ۲ یا ۳ آدمیوں کے ساتھ نوافل میں روزانہ ۲ پارے کم از کم پڑھتے تھے اور تراویح کے علاوہ ۲-۲ پاروں میں بھی آپ کا اتنی ضعیفی کے باوجود اخیری زندگی تک برابر کھڑے رہ کر ہی پڑھنے کا معمول تھا اور یہ نوافل میں ۲ پارے آپ بذاتِ خود سناتے

تھے اور دوسرے حضرات اس کو سنتے تھے۔ تو جب اخیری رمضان میں آپ کی طبیعت خراب تھی پھر بھی آپ کے یہ معمول میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا اور کھڑے کھڑے ہی نماز پڑھاتے تھے تو احباب نے آپ سے یہ مؤدبانہ درخواست کی کہ آپ ان نوافل کو کچھ دیر کھڑے رہ کر پڑھانے کے بعد پھر کرسی پر بیٹھ کر پڑھائیں اس لئے کہ زیادہ پڑھنے کے سبب اس میں رکعت طویل ہوتی ہے اور آپ بیمار بھی ہیں لیکن آپ نے یہ کہہ کر کسی کی بات نہیں سُنی کہ مجھے بیٹھ کر نماز پڑھنے میں دل نہیں لگتا اور کھڑے کھڑے ہی آپ پڑھاتے رہے۔ پھر ان لوگوں نے احقر سے کہا کہ تو کچھ کہہ اس لئے کہ تیری بات سُنیں گے اور احقر کے ہمیشہ آپ کے ساتھ رہنے کے سبب احقر کی بات حضرت نانا جانؒ زیادہ سنتے تھے اور جلدی سے مان جاتے تھے اور میں بلاتکلف صاف صاف کہہ بھی دیتا تھا ورنہ دوسروں کی اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی، تو پھر میں نے حضرت نانا جانؒ سے درخواست کی کہ آپ جہاں تک طبیعت ٹھیک نہ ہو وہاں تک بیٹھ کر ہی نماز پڑھائیں ورنہ کچھ دن تک یعنی طبیعت ٹھیک ہونے تک یہ نوافل کا سلسلہ موقوف فرمادیں تو حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ چلو ٹھیک ہے کل سے کچھ دن تک یعنی طبیعت ٹھیک ہونے تک بیٹھ کر ہی پڑھاؤں گا۔ پھر اس کے بعد معاً آپ نے مجھے یہ بات بھی فرمائی کہ بیٹا جو کچھ ہو سکے وہ مجھے اسی رمضان میں کر لینے دے اس لئے کہ یہ رمضان میرے لئے بہت قیمتی ہے شاید میں آئندہ سال زندہ نہیں رہوں گا۔ تو میں نے حضرت نانا جانؒ سے کہا کہ آپ ایسی باتیں مت بولئے اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے اور آپ کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر باقی رکھے، تو آپ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن آہ، افسوس کہ کسے معلوم تھا کہ آپ کی یہ کہی ہوئی بات حقیقت بن کر سامنے آئے گی اور حقیقت میں ہی وہ آپ کا آخری رمضان ہوگا۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ آپ نے دوسری رمضان آنے سے قبل ہی اس دارِ فانی کو الوداع کہہ کر دارِ آخرت کی طرف کوچ

کر گئے اور پھر ایک بار آپ کا انتقال کی جانب اشارہ حق ثابت ہوا۔

(۴) انتقال سے قبل جب احقر حضرت نانا جانؒ کے ساتھ بالکل آخری بار قبرستان گیا (اکثر احقر ہی کو بچپن سے حضرت نانا جانؒ اپنے ساتھ قبرستان لے جایا کرتے تھے) تو حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ تجھے میری وہ وصیّت یاد ہے کہ بھول گیا کہ میرا انتقال اگر یہاں ہو تو مجھے کس کے پہلو میں دفن کرنا ہے؟ تو پھر تاکیداً حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ پھر ایک بار برابر سن لے کہ جب میرا انتقال اگر یہاں ہو تو مجھے محدث دیوبند حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ کے بالکل پہلو میں دفن کرنا یہ اس لئے دوبارہ کہہ رہا ہوں کہ اب میرا دنیا میں رہنے کا وقت بہت کم باقی ہے اور اب میں بہت کم زندہ رہوں گا۔ اس واقعہ کے تقریباً ۶ یا ۸ ماہ کے بعد ہی آپ کا وصال ہو گیا اور آپ واصل بحق ہو گئے۔ غرض یہ کہ آپ کی ایسی کئی باتیں اور واقعات ہیں ان تمام کو یہاں لکھنا بھی مشکل ہے، یہ تو بطورِ نمونہ کے کچھ باتیں یہاں قلمبند کر دی گئی ہیں اس اصول کے تحت کہ ''از مشت نمونے خروالے'' لیکن ہم ان تمام ایسی فرمائی ہوئی باتوں کو بالفاظ دیگر آپ کی کرامت سے ضرور تعبیر کر سکتے ہیں اور ایسی کرامت اور باتیں ایک بزرگ اور ولی کامل سے کوئی بعید تر نہیں بلکہ ممکن ہیں۔

مدینہ میں وفات کی خواہش لیکن راندیر میں حضرت نانا جانؒ کی آخری آرام گاہ

حضرت نانا جانؒ کی وفات کی خواہش اور دیرینہ تمنا یہ تھی کہ میری وفات مدینۃ المنورہ میں ہو اور میں وہاں جنت البقیع میں آپ ﷺ کے بالکل نزدیک میں دفن ہو جاؤں۔ اسی وجہ سے حضرت نانا جانؒ بار بار بقصد عمرہ تشریف لے جاتے تھے اور کفن کی تھیلی بھی

ہمیشہ ساتھ لے کر چلتے تھے۔ اور عمرہ میں زیادہ تر قیام بھی آپ کا مدینۃ المنورہ میں اسی وجہ سے رہتا تھا کہ آپ کو حضور ﷺ کی صحبت میں رہنے کا موقع ملے جو ہمارے اکثر بزرگوں کا معمول رہا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ وہاں (مدینہ منورہ) کی موت نصیب میں ہو تو وہ بھی مل جائے۔ اور آپ نے بالکل آخری زندگی میں چند ماہ پہلے بھی جو عمرہ کیا وہ بھی اور اس سے پہلے بھی اکثر عمرہ میں اس نیت سے مدینہ منورہ تشریف لے جاکر وہاں قیام بھی زیادہ فرماتے تھے کہ میری موت مدینہ منورہ میں ہو اور میں یہیں آقائے نامدار تاجدار مدینہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں دفن ہو جاؤں۔ لیکن ''وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے'' لیکن وہاں کی موت آپ کے نصیب میں نہیں تھی اور بالفاظ دیگر وہاں کی زمین اور مٹی آپ کے مقدر نہ تھی۔ دوسری خاص تمنا جو احقر کو حضرت نانا جانؒ نے بتلائی وہ یہ تھی کہ جب احقر چھوٹا تھا اور اکثر حضرت نانا جانؒ کے ساتھ قبرستان جانا ہوتا تھا اس وقت بھی اور باتوں کے دوران کبھی کوئی ایسی بات نکلتی اس وقت بھی آپ ہمیشہ احقر کو مخاطب کر کے فرماتے کہ بیٹا میری بات کو دھیان سے سُن اور میری اس بات کو میری طرف سے بطور وصیّت کے یاد رکھنا کہ ایسے تو پہلی میری خواہش انتقال کی مدینۃ المنورہ میں ہی ہے لیکن اگر خدانخواستہ مجھے موت وہاں کی نصیب نہ ہو تو پھر یہاں راندیر میں مجھے ولیٔ کامل حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ محدث دارالعلوم دیوبند کے بالکل متصل پہلو میں دفن کرنا اور میرے انتقال کے بعد میری یہ وصیت سب کو بتلا دینا، اور اگر تو نے ایسا نہیں کیا یعنی حضرت میاں صاحب کے پہلو میں دفن نہیں کروایا تو میں تجھے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پکڑوں گا۔ اور پھر ہوا بھی ایسا ہی کہ حضرت نانا جانؒ کا انتقال راندیر ہی میں ہوا اور آپ کو آپ کی وصیّت کے مطابق حضرت مولانا سیّد اصغر حسین میاں صاحب کے بالکل متصل سپرد خاک کر دیا گیا اور راندیر ہی آپ کی آخری آرام گاہ قرار پائی جہاں آپؒ مدفون ہیں۔

وفات حسرتِ آیات

۱) ازل سے ہی مشیّت نے اجل کو یہ کام سونپا ہے
چمن سے پھول چننا اور ویرانے میں رکھ دینا

۲) موت اس کی ہے کرے جس کو زمانہ یاد
یوں تو آتے ہیں یہاں سب ہی مرنے کے لئے

۳) موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

کل نفس ذائقة الموت اور کل شئ ھالك اِلّا و جھهٗ

یہ ارشادِ ربانی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نفس پر موت طاری ہوگی اور ربّ العالمین کی ذاتِ عالی کے علاوہ ہر چیز فنا اور کالعدم ہو جائے گی۔ اسی قانونِ عام کے مطابق سردارِ انبیاء خاتم النبیّین، سید المرسلین، سرکارِ دو جہاں، فخرِ موجودات، سیّدنا محمد عربی ﷺ بھی اس دنیائے فانی سے دارِ آخرت کی طرف تشریف لے گئے تو پھر ہما شما آپ ﷺ کا کوئی بھی امّتی کہاں اس دنیائے فانی میں باقی رہ سکتا ہے جبکہ آپ ﷺ جیسی عظیم الشان ذاتِ اقدس بھی باقی نہ رہی۔ معلوم ہوا کہ دنیا میں رہنے اور بسنے والے ہر انسان کو یہاں ایک مدّت جہاں تک بھی خدا کو منظور ہو گزار کر پھر اس کو دارِ باقی (آخرت) کی طرف جانا ہی جانا ہے اور بارگاہ الٰہی میں جواب دہی کے لئے حاضر ہونا ہے۔

اسی لئے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

انسان کو چاہئے کہ خیالِ قضا رہے
ہم کیا رہیں گے جبکہ نہ رسولِ خدا رہے

دنیا میں لوگ تو ہر وقت بڑی تعداد میں مرتے ہی رہتے ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے مرتے ہیں کہ ایک آنکھ بھی ان پر رونے والی نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ مرتے ہیں تو احباب و اقرباء واعزہ کا ایک محدود اور مختصر حلقہ ان پر دن بھر آنسو بہالیتا ہے مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی موت ایک عالم کو تڑپا کر اور بے قرار کر کے رکھ دیتی ہے۔ ایسی ہی برگزیدہ اور پاکیزہ ہستیوں کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ موتُ العالِم موتُ العالَم یقیناً حضرت نانا جانؒ کی ذاتِ گرامی بھی ایسی ہی عبقری شخصیتوں میں سے ایک تھی کہ جن کی موت نے ایک عالم کو تڑپا کر بے چین کر کے رکھ دیا۔ آپ کی وفات کا عظیم حادثہ کچھ اس طرح سے پیش آیا کہ آپ کے انتقال سے چند دن قبل راندیر اور سورت میں ایک مشہور زمانہ عظیم سیلاب ۲۰۰۶ء میں آیا جس میں اس حد تک پانی ہوگیا تھا کہ خصوصاً راندیر کا بچنا مشکل ہوگیا تھا اس لئے آپ بہت ہی فکرمند تھے۔ پھر اسی وجہ سے اس کے متعلق خود حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنی پوری زندگی کے ۸۴ سال میں نہ کبھی ایسا پانی سیلاب کی صورت میں دیکھا اور نہ اپنے بڑوں سے پہلے کبھی ایسے سیلاب کی آمد کے متعلق سنا، یہ تو شاید راندیر اور سورت کی تاریخ میں پہلی ہی بار ایسا ہوا ہے اور میں تو اس سیلاب کو صرف اور صرف قہرِ خداوندی اور عذابِ الٰہی ہی سمجھتا ہوں۔ لہٰذا ہم کو ربّ العالمین کی بارگاہ میں خوب خوب توبہ واستغفار کرنا چاہئے اور گڑگڑا کر دعا کرنی چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرما کر رحمت نازل فرمائیں اور ہمیں اس قہر سے نجات عطا فرمائیں۔ بالآخر پھر جب پانی نے حضرت نانا جانؒ کے مکان میں گراؤنڈ فلور (Ground Floor) پر داخل ہونا شروع کیا تو آپ اپنے ہی مکان میں تیسری منزل پر جہاں آپ کی بڑی نواسی رہتی ہے وہاں اوپر تشریف لے گئے اور ابھی اگلے ہی دن شروع ہونے والے سیلاب کا پانی اپنی پوری طاقت و قوّت اور شباب سے رواں دواں پُرجوش انداز سے بڑھ چڑھ ہی رہا تھا کہ اُدھر آہستہ آہستہ

ایک آفتاب کامل کو پانی آنے کے دوسرے ہی دن بوقت صبح بصورت شدید بخار کے گہن لگنا شروع ہوا اور دو دن یعنی بروز بدھ اور جمعرات بتاریخ ۹، ۱۰/ اگست ۲۰۰۶ء مطابق ۱۴، ۱۵ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ کو شدید بخار رہا لیکن اتنے شدید بخار میں بھی آپ نے ایک نماز بھی قضا نہیں ہونے دی بلکہ برابر نماز کو اپنے وقت میں ادا فرماتے رہے اور صلوٰۃ تہجد کا سلسلہ بھی الحمد للہ موقوف نہیں ہوا۔ پھر تیسرے دن یعنی بروز جمعہ بتاریخ ۱۱/ اگست ۲۰۰۶ء مطابق ۱۶ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ کو آپ کا بخار بالکل ختم ہو گیا لیکن دو دن کے بخار سے کمزوری بھی حد درجہ ہو گئی تھی اور جمعہ کے دن پانی بھی اتر چکا تھا لیکن پانی اُترنے کے بعد کیچڑ اور کچرا کافی بڑی مقدار میں موجود تھا جس کی وجہ سے جوان آدمی کو بھی چلتے ہوئے پھسلنے کا ڈر لگتا تھا اور مسجدوں میں جمعہ کی نماز باجماعت ہونے والی تھی لیکن حضرت ناناجانؒ کو یہ پتہ نہیں تھا کہ آج جمعہ کا دن ہے آپ بھول چکے تھے اور گھر والوں نے بھی جان بوجھ کر نہیں بتلایا کہ کہیں آپ صلوٰۃ جمعہ کے لئے ایسی حالت میں مسجد جانے کو تیار ہو جائیں گے۔ لیکن پھر جب بعد میں صلوٰۃ جمعہ ہونے کے بعد گھر والوں نے بتلایا کہ آج جمعہ ہے تو بہت ہی سخت ناراض ہو کر فرمایا کہ آپ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ مجھے جمعہ کی نماز کے لئے مسجد نہیں بھیجا تو گھر والوں نے بتلایا کہ آج ہی پانی اُترا ہے اور کیچڑ بہت زیادہ مقدار میں موجود ہے اور آپ کو بخار آنے کے سبب آپ حد درجہ کمزور بھی ہو گئے ہیں اس لئے آپ کو نہیں بھیجا کہ آپ کا ایسی حالت میں جانا ہی ناممکن تھا۔ تو افسوس کے ساتھ بحالت غصہ فرمایا کہ میں تو کسی بھی طریقے سے کسی کے بھی سہارے مسجد جا سکتا تھا۔ پھر اس کے بعد فوراً وضو فرما کر صلوٰۃ ظہر ادا فرمائی۔ اس کے بعد آپ کی طبیعت کچھ درست رہی اور نماز بھی آپ برابر اہتمام سے ادا فرماتے رہے تو اہل خانہ کو بھی کچھ اطمینان سا ہو گیا کہ آپ کی طبیعت اچھی ہونا شروع ہو گئی ہے اور بیماری سے افاقہ ہو رہا ہے۔ پھر حضرت ناناجانؒ عشاء کی نماز ادا فرما

کر بستر پر لیٹے تا کہ کچھ دیر نیند آ جائے لیکن تھوڑی ہی دیر صرف آپ کو نیند آئی نہ آئی کہ اسی رات کو یعنی سنیچر کی رات کو واپس ۲ بجے سے بہت ہی بے چینی ہونا شروع ہوئی اور ہاتھ اور پیر میں شدید درد ہونا شروع ہوا اور پھر اسی وقت سے دوسرے دن یعنی وفات تک آپ کی نیند بالکل ہی غائب ہوگئی اور ہاتھ اور پیر میں درد بڑھتا ہی رہا۔ تو گویا بالفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں سے حضرت نانا جانؒ کو مرض الموت کی تکلیف شروع ہوئی جس نے آخری سانس تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آہ، کسے خبر تھی کہ یہ رات حضرت نانا جانؒ کی زندگی کی بالکل آخری رات ہوگی اور حضرت نانا جانؒ ہم کو اور اپنے تمام محبین، معتقدین، محبوبین، علماء، طلباء اور دیگر عوام الناس کو روتا ہوا چھوڑ کر اس دارِ فانی سے دارِ باقی کی طرف کوچ کر جائیں گے اور جامعہ حسینیہ راندیر کی مسند اہتمام جس کی وجہ سے ایک عرصہ دراز سے بارعب پُر نور اور پُر رونق تھی اور دیگر کئی مدارس علمیہ و مکاتب قرآنیہ کہ جہاں کے آپ کئی برسوں سے سرپرست اور محسن و مشفق مربی رہے وہ تمام جگہیں آپ کے اہم اہم قیمتی مشوروں سے اور آپ کے پند ونصائح، فیض عظیم سے محروم ہو کر یتیم ہو جائے گی۔ بالآخر اسی سخت تکلیف کی حالت میں سنیچر کی رات تو گزر گئی اور سنیچر کی صبح بڑے آب و تاب اور شان و شوکت کے ساتھ نمودار ہوئی اور حضرت نانا جانؒ نے ایسی سخت تکلیف کی حالت میں بھی برابر فجر کی نماز ادا فرمائی لیکن ہاتھ اور پیر کا درد کافی بڑھتا ہی رہا اس میں کسی قسم کی راحت اور آرام ہی نہیں ہو رہا تھا۔ اور کیسے اس شدید تکلیف سے آرام ہوتا اس لئے کہ یہی تکلیف تو آپ کی موت کا پیش خیمہ (مرض الموت) بن کر ثابت ہوئی۔ لیکن حضرت نانا جانؒ اپنی اکلوتی بیٹی اور احقر کی والدہ ماجدہ کو اور احقر کو اس دن صبح سے بہت ہی یاد فرما رہے تھے تو جب ہم کو حضرت نانا جانؒ کی اس یاد کی اطلاع دی گئی اور معلوم ہوا کہ آپ زیادہ بیمار ہیں تو میری والدہ ماجدہ فوراً جانے کے ارادہ سے گھر سے نکلیں لیکن سیلاب کا پانی اُترنے کے بعد کیچڑ اتنی زیادہ

مقدار میں ابھی موجود تھا کہ تقریباً نصف پنڈلیوں کے قریب قریب تک پہنچتا تھا اور چلنا بھی سخت دشوار تھا بلکہ ہر آن پھسلنے کا ڈر تھا تب بھی میری والدہ ماجدہ بہت ہی سنبھال سنبھال کر حضرت نانا جانؒ کی خدمت میں الحمد للہ پہنچ ہی گئیں تو آپ نے بہت ہی خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ الحمد للہ میری بیٹی میرے پاس پہنچ گئی۔ اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد احقر بھی حاضر خدمت ہوا تو سہارے سے چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے تو دور سے احقر کو دیکھتے ہی فوراً مسکرا کر خوشی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ تو بھی آ گیا تو میں نے کہا: جی ہاں، پھر میں نے آپ کی طبیعت دریافت کی تو فرمایا کہ بیٹا طبیعت تو ایسے الحمد للہ اچھی ہی ہے لیکن ہاتھ پیر میں شدید درد ہونے کی وجہ سے بہت ہی زیادہ بے چینی ہوگئی ہے اور نیند بالکل غائب ہوگئی ہے، بس صرف یہی تکلیف ہے اور کوئی تکلیف نہیں ہے، لیکن اس تکلیف کی وجہ سے میرا بغیر سہارے کے چلنا مشکل ہو رہا ہے۔ تو احقر نے ہمّت دلاتے ہوئے کہا کہ انشاء اللہ آپ کو اللہ تعالیٰ جلد از جلد شفاء عطا فرمادیں گے اور پھر احقر نے حضرت نانا جانؒ کو یاد دلاتے ہوئے یہ بھی کہا کہ چند سالوں پہلے بھی آپ کو کمر درد کی وجہ سے پیر میں شدید درد ہوا تھا اور آپ کا چلنا پھرنا اس وقت بھی دشوار ہو گیا تھا لیکن پھر کچھ دن کے بعد آپ کی یہ تکلیف بالکل جاتی رہی تھی اور آپ اس کے بعد برابر چلنے پھرنے لگے تھے لہٰذا شاید یہ درد بھی اسی طرح کا ہوگا اور آپ انشاء اللہ جلد ہی اچھے ہو جائیں گے۔ اور پھر احقر سے حضرت نانا جانؒ نے فرمایا کہ بیٹا میری اس کفنی کو نکال کر دوسری کفنی مجھے پہنا دے تو میں نے تعمیل حکم میں آپ کی کفنی نکال کر دوسری کفنی آپ کو پہنا دی۔ اس کے بعد احقر آپ کے پاس اور کچھ دیر ٹھہرا پھر حضرت نانا جانؒ سے مدرسہ دار العلوم اشرفیہ راندیر جانے کی اجازت چاہی اور یہ عرض کیا کہ وہاں پانی اُترنے کے بعد سے بڑا راحت کیمپ لگا ہوا ہے اور تمام لوگوں کی امداد کی جا رہی ہے اور اسی وجہ سے احقر کے والد ماجد حضرت مفتی یعقوب اشرف صاحب بھی وہیں پر تشریف فرما

ہیں اس لئے میں بھی وہاں جانا چاہتا ہوں، تو بخوشی میری اس درخواست کو قبول فرما کر فرمایا کہ بیٹا جا اور تیرے والد صاحب کے ساتھ رہ کر ان کی کچھ کام میں تو بھی مدد کر۔ پھر فرمایا کہ بیچارے تمام لوگ کتنے ہی پریشان حال اور مصیبت میں ہوں گے، اگر میں بھی ابھی اچھا ہوتا تو جو کچھ ہو سکتا لوگوں کی خدمت کرتا لیکن فی الحال ان کی خدمت سے میں مجبور ہوں۔ پھر احقر دوبارہ اجازت لے کر سلام کرنے کے بعد جانے کے لئے روانہ ہوا اور ابھی دروازے تک گیا ہی تھا کہ واپس آ گیا، پھر گیا پھر واپس آ گیا، ایسا تین بار پیش آیا اور گویا میری طبیعت ہی نہیں مان رہی تھی اور قدم ہی نہیں اُٹھ رہے تھے کہ میں آپ کے پاس سے جاؤں، اس لئے کہ حضرت نانا جانؒ کی طبیعت میں بے چینی اور ہاتھ اور پیر کی شدید تکلیف دیکھ کر مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میں یہیں آپ کے پاس رُک جاؤں تا کہ آپ کی خدمت کر سکوں۔ لیکن حضرت نانا جانؒ نے میری اس کیفیت کو دیکھ کر فرمایا کہ بیٹا کیا ہوا تو کیوں ایسا کر رہا ہے تو میں نے کہا کہ مجھے ایسا ہو رہا ہے کہ میں یہاں آپ کے پاس رک جاؤں وہاں (مدرسہ دار العلوم اشرفیہ راندیر) نہ جاؤں، تو فرمایا کہ نہیں نہیں تو جا اور جو ہو سکے کام میں مدد کر پھر واپس میرے پاس آ جانا۔ جب حضرت نانا جانؒ نے خود ایسا فرمایا تو پھر میری جانے کی ہمت ہوگئی اور میں مدرسہ اشرفیہ چلا گیا۔ لیکن آہ، افسوس کہ مجھے کیا معلوم کہ یہ میری میرے مشفق ومحسن ومربی حضرت اقدس نانا جانؒ سے ان کی حیات میں آخری ملاقات ہوگی اور پھر جب دوبارہ آپ کی زیارت نصیب ہوگی تو آپ کی نعش مبارک کی زیارت تڑپتے ہوئے دل، روتی ہوئی آنکھوں اور مجسمۂ حسرت وافسوس کی ایک تصویر بن کر صبر کا دامن تھامتے ہوئے زیارت کرنی ہوگی۔ اور پھر حضرت نانا جانؒ کی وہ بے پایاں شفقتیں، محبتیں اور پند ونصائح وملفوظات، تربیت وہمدردی اور آپ کے خادم ہونے کا شرف اور بچپن سے لے کر ۲۰ سال تک آپ کے ساتھ رات دن رہنے کا حسین موقع، غرض یہ کہ یہ تمام چیزیں

صرف یادداشت اور بشکل تصویر دماغ میں گھومتی ہو جائیں گی اور یہ تمام حقیقتیں گویا ایک خواب کی طرح ہو جائیں گی۔لیکن ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ بالآخر میرے چلے جانے کے بعد میری والدہ ماجدہ سے اہل خانہ نے کہا کہ تو ابا کو کھانا کھانے کے متعلق کچھ کہہ تا کہ آپ کھانا کھائیں اس لئے کہ آپ نے کل رات کو جو تھوڑا سا کھانا کھایا تھا بس وہی آخری، اس کے بعد صبح سے لے کر ابھی تک کچھ نہیں کھایا ہے۔تو پھر میری والدہ ماجدہ نے حضرت نانا جانؒ سے کہا کہ ابا اب کچھ تھوڑا سا کھانا کھا لیجئے تو فرمایا کہ ٹھیک ہے مجھے جو کچھ پھل وغیرہ موجود ہو کچھ لا کر دو، تو پھر میری والدہ ماجدہ نے آپ کو پھل وغیرہ کاٹ کر دیئے تو وہ کچھ کھائے اور پھر تھوڑا سوپ (Soup) پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو نوش فرمایا اور پھر لیٹ گئے۔ پھر آپ کی تکلیف کی شدت کو دیکھ کر اہل خانہ نے آپ کے معالج خاص ڈاکٹر یوسف صاحب کو اتنے دور سے اتنے زیادہ کیچڑ میں بلانا اور تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا تو پھر ڈاکٹر ابراہیم بدات صاحب کو بلوایا تو ڈاکٹر صاحب نے آپ کا پریشر، کارڈیوگرام وغیرہ سب طریقے سے معائنہ کیا پھر کہا کہ مولانا آپ کو تو کوئی خاص بیماری نہیں ہے سب رپورٹ نارمل (Normal) آرہے ہیں لہٰذا میں آپ کو کوئی خاص دوائی تو نہیں دے سکتا لیکن جو دوائیاں پہلے سے شروع ہیں اسی کو استعمال کرتے رہیں، پھر یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب چلے گئے۔ پھر میرے والد ماجد اور آپ کے داماد محترم (حضرت مفتی یعقوب اشرف صاحب) عصر سے پہلے پہلے آپ کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور طبیعت دریافت فرمائی تو حضرت نانا جانؒ نے والد صاحب کو دیکھ کر بہت ہی خوشی کا اظہار کیا، پھر والد صاحب وہیں حضرت نانا جانؒ کے پاس بیٹھ گئے۔تھوڑی دیر کے بعد حضرت نانا جانؒ نے حضرت والد صاحب کو بالکل ایک نظر دیکھنا شروع کیا اور حضرت نانا جانؒ کی نظریں حضرت والد صاحب پر گویا بالکل ٹھہر گئی اور شاید آپ والد صاحب کو کچھ کہنا چاہتے

تھے لیکن کچھ وجہ سے نہیں کہہ پائے۔ پھر والد صاحب نے بوقت نماز عصر جانے کی اجازت چاہی اور عرض کیا کہ میں واپس پھر بعد میں حاضر خدمت ہو جاؤں گا تو آپ نے بخوشی اجازت دی اور حضرت والد صاحب تشریف لے گئے۔ اس کے بعد تو حضرت نانا جانؒ کی ہاتھ اور پیر کی تکلیف نے اتنی شدّت اختیار کر لی اور درد کا معاملہ بالکل بے قابو ہو گیا تو پھر اہل خانہ نے آپ کی ایسی شدید تکلیف کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ سورت کے جس بڑے ڈاکٹر کے پاس پہلے سے آپ کا علاج چل رہا ہے اس کو بلوایا جائے۔ لیکن سورت کے بڑے ڈاکٹر نے یہ کہا کہ میرا تو اتنے کیچڑ میں وہاں آنا خود میری ضعیفی کی وجہ سے دشوار ہے لہٰذا آپ لوگ ان کو ایمبولنس (Ambulance) میں یہاں میرے پاس میرے مکان پر لے آؤ۔ تو جب حضرت نانا جانؒ نے یہ سنا کہ وہاں ڈاکٹر کے پاس مجھے دکھلانے کے لئے لے جا رہے ہیں تو آپ نے یہ سُن کر فوراً فرمایا کہ میری عصر کی نماز باقی ہے پہلے اس کو ادا کر لوں اور مجھے پیشاب بھی لگا ہے اور وضو بھی کرنا ہے لہٰذا جب آپ پیشاب سے فارغ ہوئے تو پھر پانی لا کر آپ کو وضو کروایا گیا اور آپ نے اتنی سخت تکلیف میں بھی کہ جس میں آپ کا اٹھنا بھی ممکن ہی نہیں تھا پھر بھی آپ نے بیٹھ کر برابر عصر کی نماز ادا فرمائی اور الحمد للہ آپ کی ایک بھی نماز مرض الموت میں بھی چھوٹنے نہ پائی اور ہوش و حواس بھی برابر انتقال تک الحمد للہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہا اس میں کسی بھی قسم کا کوئی فرق نہیں آیا۔ پھر آپ کو عصر کی نماز پڑھنے کے بعد فوراً اسٹریچر (Stretcher) پر لٹا دیا گیا اور نیچے لے جا کر آپ کو اسکورپیو (Scorpio) گاڑی میں رکھا گیا تو اس وقت محلّے میں کافی تعداد میں لوگ پروانوں کی طرح گاڑی کے ارد گرد جمع ہو گئے اور پورا محلّہ کافی بڑی تعداد میں لوگوں سے کھچا کھچ بھر گیا، گویا اپنے مشفق و محسن مربی اور امّت کے خیر خواہ بزرگ شخصیت کے اس کی حیات کے بالکل آخری دیدار کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ لوگ برابر آپ کو دیکھتے رہے اور پھر آپ کی

گاڑی سورت کی طرف ڈاکٹر کو دکھلانے کی غرض سے روانہ ہوئی تو گاڑی میں آپ کے ساتھ آپ کے اہل خانہ میں سے آپ کے کچھ لڑکے اور پوتے اور احقر کی والدہ ماجدہ بھی ساتھ تھیں۔ جب آنند محل روڈ پر گاڑی پہنچی تو وہاں اتنا ٹرافک (Traffic) تھا کہ وہاں سے گاڑی کا آگے چلنا ہی ناممکن تھا، کوشش بسیار کے باوجود بھی راستہ نہیں مل سکا تو بالآخر وہاں پر بھی کافی لوگ خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم آپ کی گاڑی کے اردگرد جمع ہو گئے، پھر انہوں نے حضرت نانا جانؒ کی تکلیف دیکھ کر کہیں سے اس راستہ پر کھڑی ہوئی ایمبولنس (Ambulance) کو لے آئے پھر حضرت نانا جانؒ کے اسٹریچر کو تمام لوگوں نے مل کر ایمبولنس میں منتقل کر دیا پھر اس ایمبولنس نے دوسرے کو اس نامی راستے سے آگے چلنا شروع کیا اور ادھر گاڑی میں حضرت نانا جانؒ کو درد میں اور بھی مزید اضافہ ہوا اور حضرت نانا جانؒ نے پھر میری والدہ ماجدہ سے دریافت فرمایا کہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو تو میری والدہ ماجدہ نے کہا کہ ابّا ہم آپ کو ڈاکٹر کے پاس دکھلانے کے لئے جا رہے ہیں تو فرمایا کہ بیٹا مجھے ہسپتال (Hospital) میں مت رکھنا، تو میری والدہ ماجدہ نے کہا کہ نہیں ابّا ہم آپ کو ڈاکٹر کے پاس دکھلانے کے بعد فوراً لے آئیں گے، تو فرمایا: ٹھیک ہے، لیکن آپ کو تکلیف بڑھنے کی وجہ سے ہاتھ اور پیر میں درد اتنا ہو رہا تھا کہ آپ نے بار بار یہ کہنا شروع کیا کہ پیر کو اٹھاؤ پیر کو لمبا کرو، ہاتھ کو دباؤ۔ پھر کچھ دیر بعد حضرت نانا جانؒ ذکر اور کلمۂ شہادت کا وِرد زیادہ کرنے لگے اور آہستہ آہستہ آپ کی ہاتھ اور پیر کی تمام شدید تکلیف خود بخود کافور ہو گئی اور آپ نے بذاتِ خود پھر اپنے دونوں پیر اور ہاتھوں کو برابر درست کر دیا۔ پھر میری والدہ ماجدہ نے آبِ زم زم آپ کے منہ میں ڈالا تو آپ نے بڑے شوق سے اسے پیا پھر میری والدہ ماجدہ کو ایمبولنس کی کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کو کھول دے تو میری والدہ نے فوراً کھڑکی کو کھول دیا اور آپ کی نگاہ یک نظر ہو کر آسمان کی

طرف برابر ٹھیر گئی اور آپ نے آسمان کو برابر ایک نظر سے دیکھنا شروع کیا اور ساتھ ساتھ متوجہ الی اللہ ہو کر پہلے کے مقابلے میں اور زیادہ ذکر اور کلمۂ شہادت کا وِرد کرنے لگے تو پھر آپ کی اس آخری کیفیت کو دیکھ کر آپ کے جو دو پوتے ساتھ تھے انہوں نے آپ کے پاس یٰسین شریف کی تلاوت کرنا شروع کی تو اب کچھ ایسا منظر معلوم ہو رہا تھا کہ گویا حضرت ناناجانؒ دنیا ومافیہا سے بالکل منقطع ہو کر اللہ کی ملاقات کے شوق اور بارگاہ الٰہی میں حاضری کے لئے پہلے ہی سے آپ نے بذاتِ خود اپنے تمام اعضاء کو درست کر کے لقاء اللہ کا شوق ظاہر فرمایا اور دوسری طرف موت کے فرشتوں نے حاضر ہو کر رشتۂ حیات کو آواز دی اور حکم الٰہی پیش کیا۔ آخر لن یؤخر اللّٰہ نفسا اذا جاء اجلها کا وقت مقرر آپہنچا جو ہر نفس کیلئے پہلے سے مقدر ہے اور وہ دروازہ کھلا کہ جہاں سے شاہ وگدا، امیر وغریب، کمزور وتوانا، اچھے اور برے ہر ایک کو گزرنا ہے۔ ابھی یٰسین شریف ختم بھی نہیں ہو پائی تھی کہ حضرت ناناجانؒ نے کلمۂ شہادت کا وِرد کرتے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد فرما دی اور آہ حضرت ناناجانؒ کی روح نکل کر پرواز کر گئی۔ کسی کو پتہ تک نہیں چل سکا کہ کون سا عظیم انسان اس دنیائے فانی سے دنیائے باقی کی طرف چل بسا اور کس نے اس بے وفا زندگی کی قید سے نجات پائی؟ اور ایک مسافر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا۔ اس وقت گھڑی میں سنیچر شام مؤرخہ ۱۲-۸-۲۰۰۶ کے ۷:۲۵ یا ۷:۲۷ بج رہے تھے اور عین اذان کا وقت تھا، گویا حضرت ناناجانؒ کی انتقال تک مرض الموت میں بھی ایک نماز بھی الحمدللہ فوت نہیں ہوئی...

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

پھر فوراً ایمبولنس کے ڈاکٹر نے حضرت ناناجانؒ کا پرنور چہرہ دیکھا اور آپ کو چیک کیا اور چیک کرنے کے بعد کہا کہ آپ کا انتقال ہو گیا ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یہ

اسلاف واکابر کی حقیقی یادگار اور علماء وطلباء اور عوام الناس کا حقیقی مربی، کئی مساجد اور مدارس ومکاتب کا روحِ رواں وسرپرست، کئی یتیم وبیوہ، غرباء وفقراء اور مساکین کا مخلص مددگار اور مسلمانانِ ہندو بیرونِ ہند کا بےلوث اور حقیقی خیر خواہ غرض یہ کہ تمام اوصاف حمیدہ واخلاق رشیدہ کا حامل اور متبع سنت اور امت مسلمہ کے لئے جس کی ذات اقدس ایک نمونہ تھی وہ ذات ہم کو حالت بیچارگی وبےبسی میں یتیم چھوڑ کر ہمارے درمیان سے دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف کوچ کر کے اپنے رب کے حضور حاضر ہونے کے لئے چل بسے۔ آہ، افسوس صد افسوس کہ ہم بےبسوں کی غم خواری اور بےکسوں کی دلجوئی کا ظاہری وسیلہ بھی ہمیشہ کے لئے ہم سے چھن گیا۔ اور پھر حضرت نانا جانؒ کی انتقال کی خبر بجلی کی طرح کوند گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے منٹوں میں تمام عالم میں یہ خبر پھیل گئی۔ جس نے بھی یہ جانکاہ خبر سنی وہ حیران وششدر رہ گیا اور دم بخود ہوگیا اور رنج وحسرت کی ایک تصویر بن گیا۔ بالخصوص جامعہ حسینیہ راندیر کے اہل پر ایک عجیب سکتہ طاری ہوگیا اس لئے کہ جامعہ حسینیہ راندیر کے مخلص، مشفق ومربی اور باہوش وباوقار سنجیدہ طبیعت مہتمم کی مسند اہتمام سونی ہوگئی اور اہتمام کی شان ورونق گویا ختم ہوگئی اور آپ کی وفات سے جامعہ حسینیہ میں ایک بڑا خلا سا پیدا ہوگیا۔

کس کا ماتم کر رہی ہے مسند اہتمام
تیری رونق کیا ہوئی اے مسند اہتمام

مولانا اسماعیل سے مزیّن تھا یہ جامعہ
شمع تیری بجھ گئی اے مسند اہتمام

پھر حضرت نانا جانؒ کی نعش مبارک کو آدھے ہی راستے سے واپس بذریعہ ایمبولنس آپ کے مکان پر لایا گیا اور رات کو ہی عشاء کے وقت آپ کے اہل خانہ نے آپ کو غسل

دیا اور غسل دیتے وقت تمام نے یہ دیکھا کہ حضرت نانا جانؒ کے چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ تھی اور آپ کا جسم مبارک بھی بالکل گرم تھا جیسا کہ ایک زندہ انسان کا ہوتا ہے، گویا کہ ایسا معلوم ہو رہا تھا آپ ابھی زندہ ہیں اور کچھ دیر کے لئے جیسے آپ اپنی زندگی میں روزانہ آرام فرما ہوتے تھے اور پھر بعد الآرام بیدار ہو جاتے تھے تو ایسا ہی لگتا تھا کہ ابھی تھوڑی دیر بعد آپ بیدار ہو جائیں گے۔ لیکن یہ تو محض گزری ہوئی یادوں کا ایک خیال تھا ورنہ قانونِ خداوندی ہے کہ جو بھی یہاں سے ایک بار جاتا ہے پھر واپس وہ کبھی بھی نہیں آ سکتا۔ بالآخر حضرت نانا جانؒ کو غسل دینے کے بعد آپ کو کفن پہنا کر ایک کمرہ میں رکھ دیا گیا اور حضرت نانا جانؒ کی وصیت کے مطابق حتی الامکان یہ کوشش کی گئی کہ آپ کا چہرہ کسی نامحرم کو نہیں دکھایا گیا اور گھر کی دیگر خواتین حضرت نانا جانؒ کے پاس پوری رات قرآن کی تلاوت اور اذکار و ادعیہ میں مصروف رہیں۔ اور دوسری طرف رات ہی کو بمشکل تمام آپ کی لحد کو تیار کروانے کی کوشش ہونے لگی اس لئے کہ آپ کے انتقال سے ایک یا ڈیڑھ دن پہلے ہی سیلاب عظیم ختم ہوا تھا تو کافی مقدار میں کیچڑ ہونے کے سبب آپ کی قبر کو بڑی محنت سے تیار کروایا گیا۔ پھر صبح کے وقت لوگوں نے بڑی تعداد میں آنا شروع کیا جس کی حالات عظیمہ کی وجہ سے امید بھی نہیں تھی۔ کافی بڑی تعداد میں لوگ سورت، بھروچ، نوساری، بروڈہ اور اطراف و اکناف کے کئی گاؤں سے آئے اور خصوصاً علماء، صلحاء، طلباء وغیرہ بھی کافی بڑی تعداد میں شریک ہوئے اور پھر حضرت نانا جانؒ کی آخری زیارت سے بھی فیضیاب ہوتے رہے۔ عجیب رقت آمیز منظر تھا، ہر شخص اپنی آنکھوں میں عقیدت و محبت کے آنسو لئے ہوئے نظر آ رہا تھا۔ آخر وہ وقت بھی آ ہی گیا، تقریباً ۸ یا ۸:۱۵ بجے اس محسن امت، راندیر کے اکابر کی قدیم آخری یادگار، مشہور خطیب عیدین، بے مثال عالم باعمل کا جنازہ نماز کے لئے چلا۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

ہر شخص جنازہ کو چھونے کے لئے بیقرار نظر آتا تھا، لوگ فرط عقیدت و محبت میں ایک دوسرے کے اوپر گر رہے تھے، کافی بڑی تعداد میں لوگ اور خصوصاً آئے ہوئے تمام علماء و طلباء اور محبین و معتقدین کا ایک جم غفیر راندیر میونسپل کارپوریشن (Municipal Corporation) کے قریب کامیٹی نامی میدان میں جمع ہو گئے جہاں حضرت نانا جانؒ کی نماز جنازہ طے پائی تھی۔ اور پھر حضرت کے اکلوتے محبوب داماد محترم، یادگار محی السنہ عارف باللہ حضرت اقدس مفتی یعقوب اشرف صاحب مدظلہ العالی (مہتمم دارالعلوم اشرفیہ راندیر و شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ صوفی باغ (سورت) و خلیفہ خاص حضرت محی السنہ شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ) نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر جب آپ کا جنازہ اُٹھا قبرستان جانے کے لئے تو کاندھا دینے والوں کا اژدھام اور شرکت کرنے والوں کی کثرت سے پورا راستہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اس کے بعد آپ کو راندیر کے مشہور قبرستان میں مشہور محدثِ دیوبند، ولیٔ کامل عارف باللہ حضرت اقدس سید اصغر حسین میاں صاحبؒ کے مزار کے بالکل متصل بازو میں آپ کے جسد مبارک کو سپرد خاک کر دیا گیا اور یہ المناک واقعہ بروزِ اتوار بتاریخ ۱۳ راگست ۲۰۰۶ء مطابق ۱۸ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ کو پیش آیا۔ طابَ اللّٰہ ثراہ و جعل الجنّہ مثواہ۔ حضرت نانا جانؒ کی وفات حسرت آیات سے جو خلا راندیر اور گجرات کے لئے اور خصوصاً جامعہ حسینیہ راندیر کے لئے پیدا ہو گیا ہے اس خلا کا پُر ہونا بظاہر مشکل ہے کہ آج ہم ایک مشفق و محسن و مربی خادم مدارس و مکاتب، خیر خواہ غرباء و مساکین خصوصاً رونق راندیر کی دعاؤں اور شفقتوں سے ایسے وقت محروم ہو گئے ہیں جب کہ ہم کو ان کی زیادہ ضرورت تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک عالم باعمل، متبع سنّت، مجسّمۂ ایثار و قربانی، بروقت امّت کے خیر خواہ اور خصوصاً یادگار اکابر راندیر کی ایک آخری سنہری کڑی اور نمونہ کی زیارت و دیدار سے بھی ہمیشہ کے لئے محروم اور یتیم ہو گئے۔ اور جامعہ حسینیہ راندیر بھی اپنے

ایک مخلص و یادگار مہتمم، اور ان کی روحانی توجہ اور دعاؤں سے، فیضیاب مشوروں سے، باہوش سنجیدہ اور باوقار مربی سے ہمیشہ کے لئے صرف محروم ہی نہیں ہوگیا بلکہ ایسے مخلص اور بزرگ ہستیوں سے ایک درجہ میں خالی ہوکر یتیم ہوگیا...... انّ للّٰہ ما اعطیٰ ولہٗ ما اخذ۔

اخیر میں دست بدعا ہوں کہ رب العالمین حضرت نانا جانؒ کی قبر کونور سے منور فرمائے اوران کے درجات کو بلند سے بلند فرمائے اور مجھے اور تمام پسماندگان اور تمام اہل تعلق ومحبین کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے سرفراز فرمائے ،آمین ثم آمین یاربّ العالمین۔

۱) خدا اس کی تربت پر ہمیشہ بارش رحمت رہے
تا قیامت قبر اس کی روضۂ جنت رہے

۲) کون کہتا ہے کہ مومن مر گیا
وہ تو دنیا چھوڑ کر اپنے گھر گیا

۳) تمام عمر اسی احتیاط میں گزری
کہ آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو

الحمد للّٰہ حضرت نانا جانؒ کے مذکورہ حالاتِ زندگی بنام ’’حیاتِ اسماعیل‘‘ مؤرخہ ۲۲؍جنوری ۲۰۱۰ء مطابق ۶؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ یوم جمعہ شام ۵؍بج کر ۱۴؍منٹ پر اختتام پذیر ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
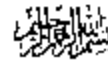
...... اے قصبۂ راندیر

شہروں کا شہنشاہ ہے یہ قصبۂ راندیر
پر کیف نظارہ ہے یہ قصبۂ راندیر

گجرات کا گہنا ہے اور ہند کا موتی
سرمایۂ تاریخ ہے یہ قصبۂ راندیر

تو دین کا مرکز ہے تو ہے علم کا مسکن
عالی ہے تیری شان بہت قصبۂ راندیر

تیار بہت تو نے کئے عالم و حافظ
قاری بھی مبلّغ بھی مصنف بھی فقیہ بھی

دنیا کے ہر ایک گوشے میں جاری ہے تیرا فیض
تیرے نور سے منور ہوا یہ جہاں سارا

شاہی ہیں مسجدیں تیری تاریخی مدارس
بے مثل و مثیل ہے تیری تعمیر اے راندیر

تیرا تابناک ماضی، خوش حال ہے تو اب بھی
روشن رہے مستقبل تیرا قصبۂ راندیر

مولوی صادق نے لکھ کر قرآن کی تفسیر
رتبہ تیرا بلند کیا قصبۂ راندیر

خاندان حافظ صالح ہوا اسم با مسمّٰی
جاں نثار ہوا تجھ پر اے قصبۂ راندیر

اشرف کا یہ قبیلہ تو ہے چاند اس زمیں کا
روشن تجھے دنیا میں کیا قصبۂ راندیر

مولانا احمد اشرفؒ مولانا سعید احمدؒ
تقویٰ و طہارت میں تھے یکتۂ قصبۂ راندیر

شیخ الحدیث اجمیریؒ اور شیخ احمد اللہؒ
تھے یہ وقت کے بخاری تیرے قصبۂ راندیر

جود و سخا کا چشمہ مولوی اسماعیل موٹا
افرادِ بوٹا والا حاتم طائی راندیر

سید رفاعی بھی ہیں اس شہر کے تارے
ان کی بھی خدمتوں کا ممنون ہے یہ راندیر

عبدالرحیم لاجپوریؒ عبدالغنی کاویؒ
اسماعیل واڑی والے ہوئے مفتی راندیر

یہاں دین کی دعوت اور تبلیغ کی فکریں
ہر سمت نقل و حرکت ہر دم مجاہدے ہیں

تری رفعتوں کے چرچے ہیں زمیں سے آسماں تک
کہاں؟ کوئی تیرا ہمسر اے قصبۂ راندیر

آمد ہے اولیاء کی تیری سرزمیں پہ ہر دم
ہندوستاں میں جنت ہو اگر تو تو ہی تو ہے

مولانا شبیر احمد اور مفتی کپھولوی	اسلاف کی یادیں ہیں تیری قصبۂ راندیر
یعقوب (اشرف) ہے تیرا لولو مرجان رشید احمد (اجمیری)	عارف حسن عثمانی تیرا قیمتی زیور
اہل وطن نے مل کر بخشی تجھے رونق	لاکھوں سلام تجھ کو اے قصبۂ راندیر
ہے دعا میری اے یونس تو رہے سدا سلامت	پھولے پھلے ہمیشہ یہ گلشن راندیر

(آمین)

بقلم:

کمترین یونس پانولوی

(خادم شعبۂ تجوید دار العلوم اشرفیہ، راندیر)

حسب فرمائش:

حضرت مولانا یعقوب اشرف دامت برکاتہ

(مہتمم دار العلوم اشرفیہ، راندیر)

بتاریخ:

۶؍شعبان ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۹؍جولائی ۲۰۰۹ء